

ضرورت تصنیف کتاب

مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ اس قدر بے ڈھنگ سا ہو کر اس مثل کا مصداق بن گیا ہے کہ ”اونٹ اے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی“

مسلمانوں میں بعض خصوصی خاندان ہیں جن کے کردار کے تمام پہلو نہایت ہی جمیانک و عبرتناک، محسن کش اور خطرناک ہیں اور مذہب کا جہاں تک سوال و تعلق ہے، ریا کاری و شرک میں مبتلا ہو کر خون کے آنسو ہی آنسو بہائے جاسکتے ہیں، ان کے پیش نظر صرف دنیا ہے اور دین کے نام پر دنیا کما کر حضرت اقبال کے اس مصرع کی تفسیر بنے جی رہے ہیں۔

”دنیا تو میلی طائر دین کو گریا پروانا“

مزید تفصیل حصہ دوم ”توہینِ رسول“ توہین مذہب اور مسلمان“ میں ملے گی۔ کاش مسلمان مائل بہ اصلاح ہوں

انتساب

مجھے اللہ پاک سے یقین ہے کہ اس کتاب کی حقیقی تان اپنی زبان سے خود اس کتاب کو غالب کے اس شعر سے منسوب کرے
دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ د
میری شنو جو گوش نصیحت نینوش ہو

● بار اول و تعداد : - اکتوبر ۱۹۸۹ء ایک ہزار
● قیمت : - ۱۲ (دہارہ) روپے 00 = 10

194/R0P

بغرض اصلاح معاشرہ تمدن سیاست کردار اور مذہب
(دیدہ عبارت نگاہ و گوش نصیحت نیوش کئے)

خون کے انگوٹھی

91
489

اور مسلمان

A.C.E. No.

236

اور علامہ اقبال

زوال پذیر مسلمان قوم کی عورتیں اور مرد

ایک

حقیقت ایک داستان

ہر پہلو قابلِ عبرت ہر پہلو خطرناک

91

ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ
ہائیکورٹ لے بی حیدر آباد
انڈیا

محمد جمیل الدین صدیقی

خون کے آنسو ہی آنسو اور مسلمان (حصہ اول) اور علامہ اقبال

زوال پذیر مسلمان قوم کی ایک عورت اور ایک سیدزادے کی حقیقی داستان
ہر پہلو قابلِ عبرت، ہر پہلو خطرناک

باب اول

(۱) نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے (اقبال)

۵۹ ایک منصف مجسٹریٹ کی بیٹی تھی۔ ایک اعلیٰ عالم خاندان کے حامل منصف مجسٹریٹ کی بیٹی۔ ایک ایسا منصف مجسٹریٹ جو اس وقت کا مجسٹریٹ تھا جبکہ زمیندار اور صاحب دولت و ثروت اضلاع میں دن کے اُجالے میں بلا خوف ڈرنکے کی جوت پر قتل کروا دیتے اور منصف مجسٹریٹ کو منہ مانگی رقم دیکر خرید لیتے۔ مقدمہ قتل عدالت میں پیش تو ہوتا لیکن اکی پیش رفت نہ ہو سکتی۔ مجسٹریٹ کے ہاتھوں مقدمہ اس قدر کمزور کر دیا جاتا کہ ملزم بچ جاتا۔ اگر کوئی منصف مجسٹریٹ ایمان دار ہوتا اور ان کے ہاتھوں نہ بکتا تو پھر یہ زمیندار اور صاحب ثروت مجسٹریٹ کے جان کے لئے وبال جان بن جاتے اور اس کو کشمکش اور مصائب میں مبتلا کر دیتے ان کو اپنی شجاعت کے مظاہرے دکھا کر ملازمت انجام دینی پڑتی تھی۔ یہ ایسا ہی منصف مجسٹریٹ تھا رشوت جس سے لرزاں تھی محکمہ انصاف کو اس پر ناز تھا۔ یہ صداقت پسند انصاف آشنا منصف مجسٹریٹ دوسرے انصاف کی ناد کے ناخداؤں کے لئے رہبری اور امامت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ جہاں حالات بد سے بدتر ہوتے یہ نیک فرشتہ مصلحت مجسٹریٹ بغرض انصاف رسانی دہاں کے عہدہ پر سنبھال کر اعلیٰ نامزد کر دیا جاتا گویا وہ علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر بن چکا تھا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدا کا شجاعت کا
لے لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس منصف مجسٹریٹ نے صداقت دیانت شجاعت اور عدالت کے اسباق اذہر کر لئے تھے۔
 قوماں وہ ایک ایسے بلند پایہ محترم القام منصف مجسٹریٹ کی دخترِ کلاں تھیں جس نے
 فاطمہ نام اور محمدی عرف پایا تھا۔

— ان ہمہ گیر اوصاف حمیدہ کے حامل منصف مجسٹریٹ کی ایک کمزوری اپنے دخترِ کلاں سے محبت
 میں حد سے تجاوز کرنا بھی تھا ایسا بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس محبت کی بنا پر فاطمہ کو تعلیم کے زلیہ
 سے محروم رکھا گیا یا اسکی تربیت میں کوئی کسر چھوڑی گئی تھی تعلیم و تربیت مکمل اور اچھی تھی مگر بقول
 حضرت اقبال جب جوہر ذاتی ہی نہ ہو تو۔

نہ جو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت میں نہیں سنورتے

ہو انہ سر سبز رہ کے پانی میں عکس سر وکتا جو کا

آخر وہ باوجود تعلیم و تربیت رفعت کی لذت سے آشنا نہ ہو سکی۔ نہ اس نے اپنے باپ
 ظاہرِ فطرت نیک سے شان بے نیازی لی اور نہ ہی اپنی سیدانی مال کی ظاہرِ طبیعت سے پاکیزگی اور بلبل
 انکاری حاصل کی۔ دن یوں ہی گزرتے رہے وہ بچی اور لڑکھن کی منزلیں طے کرتی ہوئی محبت
 شباب کی سیر کرنے لگی یعنی اب وہ ایک عورت تھی مگر ایسی عورت نہیں جس کے بارے میں
 حضرت اقبال نے فرمایا ہے

دجو دزن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ : اسی کے سانس سے ہے زندگی کا سوز و دل

اسکی فطرت خود اسکو ایک ایسے علم سے آشنا کر رہی تھی جس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں
 جس علم کی تاثیر سے زن ہوتا ہے نازن : کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر مروت !

بہر حال وہ اپنے خود ساختہ فطرت کے علم کی بنا پر "نازن" بنی جا رہی تھی۔ وہ اپنی فطرت
 خدا داد سے نہیں بلکہ فطرتِ ابلیس داد سے احساسِ مروت کو کچلتی ہوئی نتنہ سے نتنہ
 عظیم بنی جا رہی تھی۔

(۲) یہ امت خرافات میں کھو گئی (علامہ اقبال)

آخر ایک وقت آیا کہ فاطمہ کی شادی کے دن آگئے۔ فاطمہ کے والد کی حقیقی بہن نے اپنے
 بھائی کی لاڈلی دخترِ کلاں کو اپنے چاؤ سے پالے فرزند اکبر کے لئے بعد از روپنہ کر لیا۔ بھائی سے اقوام
 وراثت لینے پر بھی تسکین و تسفی نہ ہوئی تو رسم کے مراسم غیر اسلامی اسراف کے انداز لئے تسکین کے لئے

یہ گھر نایاب کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ لہٰذا بہن بھائی کی دختر کو اپنے فرزند اکبر کے لئے انتخاب کر کے نازاں و فرخان تھیں تو لہٰذا بھڑے بھائی اپنی چھوٹی بہن کے لئے رسم کر کے باغ باغ تھے کہ اپنی بیٹی کے لئے خوشیوں و مسرتوں کا گویا گلستان خرید لیا ہے۔ بڑوں کو دم رہا۔ ہر عید برات اور محرم کو اسراف کے مظاہرے ہر جانب سے ہوتے رہے۔ حصہ جات اور سلامیوں پر بے دریغ روپیہ ضائع ہوتا رہا۔ علامہ اقبال کے اشعار مثل راہ بننے کے بجائے انکی کتاب بال جبرئیل ہی کی رونق بن کر رہ گئے اور زوال پذیر قوم کے افراد پر تقدیر منتہی رہی۔

نگہ اُلجھی ہوئی ہے رنگِ دلوں میں ؛ خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
ترا اندیشہ افلاک کی نہیں ہے ؛ تری پرداز لولا کی نہیں ہے

(۳) میں ان کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں (اقبال)

رسم ہو کر برسوں ہو چکے تھے اب فاطمہ (۲۱) سال کی ہو چکی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے شادی کے دن آہی گئے اور تاریخ شادی مقرر ہو گئی۔ منصف مجسٹریٹ صاحب جو بعد حصولِ وظیفہ محسن خدمت از ممالک محروسہ سرکار عالی ریاست نظام اب ایک جاگیر کی منصفی پر بحیثیت منصف مجسٹریٹ فائز تھے۔ بعد تیاری بسیار رخصت لیکر لاٹولی بیٹی کا شادی رچانے حیدر آباد تشریف لائے۔ سیف نواز جنگ کی ڈیوڑھی ایک ماہ کے لئے مستعار لی گئی۔ ایک ماہ تک بہانوں کی بہان نرازی بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رہی۔ اپنے دور کے اوسط طبقہ کی دھوم دھعام سے رچائی ایک معیاری شادی تھی اس کے تذکرے اور اعتراف خاندانوں میں ہر ایک کی زبان پر تھے۔ اپنی ذات تک سادہ زندگی اور غذا استعمال کرنے والے مجسم شریعت اور ایک عالم خاندان کے عالم سہوت منصف مجسٹریٹ اپنی لاٹولی بیٹی کی شادی میں اسلامی سادگی بھول گئے اور دختر کلال کی محبت میں اس قدر غلو کر گئے کہ مزید چار لڑکیوں کے مستقبل کو نظر انداز فرما کر ایمان داری اور دیانت سے کمایا اور بیچا یا سب روپیہ اس دختر نیک اختر کی خوشی و خوشنودی کے لیے گٹ ڈالا، بقول حضرت اقبال

میں ان کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں ؛ جو گھر کو بھونک کے دنیا میں نام کر رہی ہیں
شادی ہر لحاظ سے دونوں جانب ٹھیک کی تھی۔ کوئی آرزو و تمنا ایسی نہ تھی جو باقی رکھی گئی ہو۔
کوئی حسرت ایسی نہ تھی جس کی تکمیل دیکھا کر اس کو حسرت کا موقعہ دیا گیا ہو۔ جہیز کیا تھا۔
ایک جگہ کا شور و دم نظر آ رہا تھا۔ ملبوسات زرین اپنی چمک دھمک دکھا رہے تھے

ایک ایک ساڑی پر سینکڑوں روپیہ کا کام اور مصالحہ زرین آنکھوں کو چمکا جو نہ کر رہا تھا۔ سونا چاندی اپنی آب و تاب دکھانے میں مصروف تھے۔ سانس نے سونے کے توڑے علاوہ دیگر زیور بہو کو جڑھائے تھے، یہ سونے کے توڑے آگے دیکھتے کیا کیا رنگ دکھاتے ہیں؟ سلاموں میں علاوہ نقدی کے چاندی کا سامان اس قدر ملا تھا جسکی مالیت ہزاروں تک پہنچ رہی تھی۔ قوم زوال پذیر ہوتی جا رہی تھی مگر ہندوؤں کے مہم ایسے مسلمان گھرانوں میں گھر کر گئے تھے جو مسلمانوں کے لیے باعث تباہی بن کر قوم کو منہ پڑا رہے تھے۔ مانجہ، سانچو، مہندی، جلہ، چوتھی، جمعلیاں سب رسومات ایسی تھیں جس میں شاید ہی کوئی انجام نہ دی گئی ہوں۔ مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھو کر ہندوؤں کے رسومات کو آنکھوں سے لگا رکھا تھا۔ اسلامی سادگی صرف کتابوں میں بند کر کے رکھ دی گئی تھی۔ یہ منصف مجسٹریٹ کی دختر عرف مخمڑی نام فاطمہ کی شادی تھی جسکو محمد رسول خدا کا دختر فاطمہ کی شادی سے کوئی نسبت ہی نہ تھی اس شادی کا سادگی تو صرف کتابوں کی زینت بنی قلوب کو خوش کرنے اور احتراماً پڑھتے رہ گئی تھی۔ یہ شریعت پسند صوفی منش منصف مجسٹریٹ بقول حضرت اقبال

تمدن تصوف شریعت کلام	تُر	بتانِ عجم کے بجا ری تمام
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد	دُر	محبت میں بکتا محبت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا	دُر	یہ سالک مقامات میں کھو گیا

شادی ہو چکی۔ دعوتوں کے بے نظیر طعام کا تو تذکرہ ہی کیا — صرف اس کی بوہی فرحت بخشنے کا ہی تھی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے جا چکی تھی۔ دکن میں نظام کی حکومت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا تھا۔ یہاں کے باشندے اسکو بدر کمال اور آفتاب درخشاں سمجھ رہے تھے۔ انگریز آقاؤں کے روپ میں پورے ہندوستانیوں کے سر پر سوار تھا اور مسلمان زوال پذیر قوم اپنے لغویات سے باز ہی نہ آتی تھی۔ رسی کے جل جانے پر بھی دکھا دے کے بل پر ناز تھا، بقول حکیم الامت حقیقت خرافات میں کھو گئی و یہ امت روایات میں کھو گئی

۴۔ پہلا ڈرامہ اور مجسٹریٹ صاحب کی جاگیر کی نوکری برخواست

شادی ہو چکی جمعلیاں ہر چکیں، اب منصف مجسٹریٹ صاحب دولہا و دلہن کو اپنے ساتھ گاؤں اپنے مستقر پر لیجانے کے لئے اپنی بہن کو رضا مندر کے جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ فلانان کی روانگی کے لئے لاریوں اور دولہا و دلہن کیلئے خاص موٹر کا انتظام ہوا۔ موٹر میں گھر پر آئیں۔ صبح

سویرے روانگی تھی۔ پہلا ڈرامہ دولہے میاں نے کیا کہ وہ شہر کو چھوڑ کر چارمینار کسی دن دیکھ بغیر رہ نہ سکتے۔ دولہا دلہن میں اتفاق ہوا۔ دلہن نے ڈرامے کے ایسے پاٹ ادا کئے کہ سب موزیں واپس۔ صرف مجسٹریٹ اہل عدالت کو شہر میں چھوڑ کر تنہا اپنے مستقر پر روانہ ہو گئے۔ کچھ روز بھی وہاں نوکری کرنے نہ پائے تھے کہ بیٹی کی یاد آنے لگی۔ رخصت لیکر شہر تشریف لائے۔ اب بیٹی نے اپنے ڈرامے کو کئی کروڑ دی اور باپ کو سسرال کے مظالم آنکھوں کی برسات برسات کر جو بلا ابر برس رہی تھی سنائی اور یقین دلایا کہ اگر باپ ددر رہے تو وہ شہر آکر یا تو اسکی نعش ہی دیکھ سکیں گے۔ یا ہو سکتے ہیں کہ اس کا بھی موقع نہ ملے۔ بلا اطلاع دفن کر دی جائے۔ ضعیف باپ کا دماغ چکر لگایا کہ ہاں سمجھا گیا تھا اور کیا ہو گیا۔ پرانا محاورہ صادق آگیا کہ پھو پھو سس نہ بنے، باندی سو کن تہ بنے۔ اب منصف مجسٹریٹ ملازمت کو استعفیٰ دیکر شہر میں بیٹی کی حفاظت کے لئے رہ گئے اور دوسرے چار بیٹوں کا مستقبل بڑی بہن کی صورت تکنے لگا۔ بہر حال دختر کلاں بڑی مکاری سے پھل ممنوعہ جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے کہ — یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلوا آدم کو — یہ پھل باپ کو کھلا کر زکری سے نکال دیا۔ بیٹی کی مکاری کو مجسٹریٹ سمجھ نہ سکے۔ محبت سمجھ کر زکری چھوڑ بیٹھے، ایسی محبت کے بارے میں حکیم الامت نے کہا ہے۔

شہید محبت نہ کافر نہ غازی	؛	محبت کی رکھیں نہ ترکی نہ نازی
وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے	؛	سکھاتی ہے غزنوی کی ایازی
یہہ جو ہر اگر کار فرما نہیں ہے	؛	تو بہن علم و حکمت فقط شیشہ بازی
نہ محتاج سلطان نہ مرعوب سلطان	؛	محبت ہے آزادی و بے نیازی

مرا فقر بہتر ہے اسکندر سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

باب دوم

(۱) یہ کافر تو نہیں، کافر سے کم بھی نہیں۔ (علاء اقبال)

فاطمہ کے سسرال اور نوشتہ میاں پر ایک نظر

فاطمہ کی بھوپتی ایک سید فاندان میں بیاہی گئی تھیں لہذا فاطمہ کے شوہر بادشاہ سید زادے تھے جن کو حسب ضرورت سید زادے کے نام سے بھی پکارا جائے گا۔ فاطمہ کے چھوٹے بیٹے خسرو ایک پانچواں کے چوٹے کے عہدہ پر فائز تھے۔ فاطمہ کی بھوپتی ان کی تیسری بیوی تھیں جو بعد انتقال دو ازواج بیاہی گئی تھیں۔ گھر پر ذاتی بگھی اور موٹر۔ گھر میں نوکر چاکر، عالیشان دو منزلہ بنگلہ۔ بنگلہ پر پولیس و پانچواں کی فوج کا پہرہ۔ کئی کئی شے کی کیا ہو جبکہ کئی روپیہ ہی کی نہ تھی۔ جائز اور ناجائز ہر طرح کا روپیہ قدم بوس ہو رہا تھا۔ سب بخود کے جبرے میں جھول رہے تھے۔ یہ سید گھرانے والے۔ بقول حضرت اقبال

یہ کافر تو نہیں، کافر سے کم بھی نہیں ؛ کہ مرد حق ہو گرفتار حاضر و موجود کے مصداق بنے ہی رہے تھے۔

فاطمہ کی بھوپتی کے خود لہجے سے بارہ لڑکے اور تین بیٹیاں تھیں، فاطمہ کے شوہر زرنڈا کبر تھے۔ روپیہ کی فراوانی نے کسی بیٹے کو تک میٹرک پاس ہونے نہ دیا تھا۔ جب گھر میں روپیہ کی دیوی لکشمی اپنا ٹھکانہ بنا چکی تھی تو علم کی دیوی سرسوتی کو اس نے اس گھر میں تدم جلتے ہی نہ دیا تھا۔ فاطمہ کے شوہر بادشاہ تو بڑے لاڈ پیار کے فرزند تھے اور مال باپ کے آنکھوں کے تارے۔ چونکہ بڑی اولاد تھی لہذا سب سے زیادہ لاڈ پیار کے مستحق۔ یہ نہیں کہ ان پر تعلیم پر روپیہ خرچ نہیں کیا گیا تھا۔ — باوجود بانی کی طرح روپیہ بہانے مقامی بڑے اسکولوں میں پڑھانے کے بعد حیدرآباد سے ناامید ہو کر فرض حصول تعلیم علی گڑھ کا تک سیر کر آئے تھے۔ کوئی ڈگری لینا تو بڑی بات تھی میٹرک بھی پاس نہ کر سکے تھے۔ بادشاہ تو انہیں ہر ایک پکارتا ہی تھا لہذا بادشاہ سلامت ٹھاٹھ کے بطور سات کے شوقین، آرام طلب، تن آشنا و نزاکت کی آغوش میں طفلی شیرخوار بنے جواں ہوئے ایسے جواں جن کے بارے میں حکیم الامت فرماتے ہیں۔

ترے صوفے میں از رنگی ترے قالین میں ایلنا ؛ ابو محمد کو رلاتی ہے جواڑوں کی تن آسانی
امارت کی آشکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حال ؛ نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلانی

نوشہ میاں ابھی تک بے پردہ گار تھے - ماں باپ نے اپنی ذمہ داری پر شاہی رچائی تھی - فاطمہ کو بے بض
رپائش بنگلہ پر بڑے بڑے دو معال اور ایک کمرہ دیا گیا تھا - ضروریات اور طعام کا نیکیل ضرورت سے
زائد ہی ہو رہی تھی مگر فاطمہ کی ناشکر گزار فطرت برابر نالال تھی ہر چیز اسے ناپسند تھی - ادھر
فاطمہ نے جس حسنِ انداز سے اپنے باپ کے دل میں سسرال کی جانب سے نفرت کے بیج بونے شروع
کر دیئے تھے تو دوسری جانب اس کی ساس (پھوپھی) بیچاری کر ان ریشہ دوانیوں کا پتہ نہ تھا -

دیکھتے دیکھتے چارہ پہینے لگے - اب فاطمہ ایک عدد بچے کی ماں بن چکی تھی - دادا دادی کو
پلو ترے کی دلدل نے باغ باغ کر رکھا تھا وہ پھولے نہ سلاتے تھے - لیکن فاطمہ کو ان کی بہ خوشیاں
ایک نظر بھی نہ بھاتی تھیں وہ مفت کی نفرت ساس اور سسرال سے دل میں چھپائی - صرت اپنی خوشیوں
ہی کو خوشیاں اور اپنی امنگوں کو ہی امنگیں سمجھتی تھی گویا بقول شاعر مشرق -

امنگیں میری آرزو میں مری	؛	امیدیں مری جستجو میں مری
مری فطرت آئینہ روزگار	؛	غزالاں انکار کا مرغبار
مراد دل مری رزم گاہ حیات	؛	گمناؤں کے شکر یقین کا ثبات

ادھر فاطمہ نے باپ کو جاگیر کی اس وقت کی ماہانہ چار سو
کی ملازمت سے کنارہ کش کر دیا تھا - اب چھلہ چالیں

چھلہ چھٹی و رسم چھلہ

روز میں شاندار انداز سے تو ہو چکا - مگر فاطمہ کے دل ہی دل میں رسم چھلہ کی ادائی گد گدیاں ہو رہی
تھیں کہ شاندار سامان، جھولا اور ملبوسات بچہ کے لئے اور شاندار سلامی نوشہ کے لئے اور پھر ہر دو
کے لئے ملبوسات شاہانہ بھی میکہ سے لیں، چونکہ ان دونوں نے بڑی محنت کر کے گیارہ ماہ میں نانا
نانی کو فاسدہ عطا فرما کر احسانِ عظیم کیا تھا - اب اس نے ایک اور فتنہ انگیز چال چلی کہ ساس اور
خسر رسم چھلہ اور سامان کے سخت منتظر ہیں اور نہ ہو تو اس کی زندگی عذاب و جہنم بن کر رہ جائے گی -
وہ ہر فتنہ بجاتے وقت بڑے ماہرانہ انداز رکھتی تھی اور ہر فتنہ جو کہناں بن کر ایسے ایسے کمالات
بقول علامہ اقبال دکھاتی تھی -

وہ جو کہناں اچھلتی ہوئی	؛	انگھتی لچکتی سکتی ہوئی
اچھلتی پھلتی سنبھلتی ہوئی	؛	بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ ؛ بہاؤوں کے دل حیر دیتی ہے یہ

(۲) اسکی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے

علاوہ اقبال

منصف مجسٹریٹ کے غیر منصفانہ فیصلے

ایک مجسم شریعت ایک عالم خانہ ان کا
سہوت، ایک محکمہ عدلیہ کا شاندار منصف

مجسٹریٹ جس کے انصاف کے ڈنکے الٹے اپنے محکمہ اور مستقر کی رعایا میں بچ چکے تھے اب بعد وظیفہ گھر کے معاملات میں دختر کلاں اور دوسری اولاد کی حد تک جہاں انصاف کا سوال تھا دختر کلاں کی محبت میں غیر منصفانہ فیصلے صادر فرمانے لگا تھا۔ البتہ تعداد اولاد کی حد تک انصاف کو اس انداز سے پیش نظر رکھا تھا اور انصاف کے ترازو کے ہر دوپلوں میں مساوات اور انصاف اس طرح قائم کئے گئے تھے کہ ایک پلہ میں پانچ بیٹیاں تھیں تو دوسرے پلے میں پانچ بیٹے — یعنی بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد مساوی — پانچ — پانچ

منصف مجسٹریٹ صاحب کا وائیکری خدمت سے سبکدوشی کے بعد ذرائع آمدنی صرف وظیفہ حسن خدمت ایک سو دس روپے اور منصف تاحیات پچاس روپے تھی جس میں گیارہ افراد زیر پرورش تھے۔ چار ناکتخدا بیٹیاں پانچ بیٹے — ماں اور باپ۔ اب مجسٹریٹ صاحب نے اعظم جاہی ملز کے حصص جو خرید رکھے تھے ان کو زرخ کر کے دختر کلاں کے رسم چمک کی سہا جی ہندو انی رسم کی انجام دہی کا فیصلہ کر ڈالا۔ چنانچہ حصص زرخ کر دیئے گئے۔ ماں باپ ہر روز بازار جاتے۔ اسی جھولا اس کا قیمتی بستر جرمی کے بنے ظروف چینی۔ تابنے کے برتن ملبوسات خرید کر لاتے۔ بڑی غضبناک اور عبرت ناک بات علاوہ دیگر ناکتخدا بیٹوں کے مستقبل کے یہ تھی کہ ان کا خرزند دم جیلانی بارہ سالہ ٹائیفا ٹیڈ میں مبتلا تھا۔ بخار کی شدت تھی۔ ٹائفا ٹیڈ پلٹ پلٹ کر آ رہا تھا اور یہ تیسری بار تھا، چھ ماہ سے بستر پر تھا۔ وہ ماں باپ کی مصروف بستر پر پڑا پڑا دیکھتا رہتا اور ماں حقیقی کا یہ آواز جو بڑی بیٹی کی محبت اور شوہر کے ہاں میں ہاں ملانے اس نے ہی تھی اس کے کانوں میں گونجتی کہ ”سرکاری دو خانہ کی دوا سے لوگ کیا اچھے نہیں ہوتے؟ زندگی ہے تو بچ جائے گا؟“ حالانکہ خرزند کلاں کو بھی بارہ سال کی عمر میں ٹائیفا ٹیڈ ہوا تھا تو پانی کی طرح روپیہ بمرض صحت بہا دیا گیا تھا۔ ان دنوں کی زندگی میں ایسے خطرناک مواقع آتے ہیں کہ وہ ناقابل معافی مجرم بن کر روز قیامت داور محشر کے سامنے عدم ادائی حقوق کے سلسلہ میں سرخم کئے کھڑے ہونگے۔

اسلئے من سب معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں کچھ بحث کی جائے جیسا کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ فاطمہ کے میکہ اور سسرال میں ہر جگہ ایک اولاد پر جو بھگناؤ اور دوسری اولاد سے غفلت و نا انصافی برتی جا رہی ہے۔

والدین پر اولاد کے حقوق

اولاد پر والدین کے کیا حقوق ہیں اس پر ایک مستقل

کتاب ہماری شائع ہو چکی ہے اب اس وقت

ہم کو غور کرنا یہ ہے کہ والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں۔ یہ عام بیماری ہے جو اکثر مسلمان گھروں میں پائی جاتی ہے دوسری قوموں سے ہمیں بحث نہیں۔

والدین کو قرآن مجید میں رب صغره یعنی چھوٹے رب کہا گیا ہے۔ رب صغره اسلئے نہیں کہا گیا ہے کہ انہوں نے اولاد کو جنم دیا ہے اس نقطہ نظر سے کہا جاتا تو چھوٹے خالق کہا جاتا مگر چھوٹے خالق نہیں چھوٹے رب کہا گیا چونکہ رب کے معنی پالنے والے کے ہیں۔ ماں باپ پالتے ہیں لہذا وہ چھوٹے رب ہوئے لہذا یتیم چلا کر جنم دینے سے زیادہ اہمیت پالتے کی ہے جہیں لگتی ہے محنت زیادہ۔ اور کون غارت ہوتا ہے۔ جانور بھی اولاد کو جنم دیتے اور جس مدت تک پالتا اور تربیت دینا ہے دیتے ہیں لیکن انسان اشرف المخلوقات ہے لہذا اسکی ذمہ داریاں بھی اشرف و مکمل ہیں۔ اگر انسان اسلام کا فرزند بن کر پیدا ہوا ہے تو اس کا مذہب بھی اشرف ہوا اور زندگی میں اولاد کی پرورش میں بھی اسکو اشرف بن کر دکھانا ہوگا۔ اسلام کی عمارت کا بنیادی پتھر ہی انصاف اور سادگی ہے لہذا مسلمان والدین پر اولاد کے حسب ذیل ذمہ داریاں ہوں گی۔

(۱) اولاد کی پرورش کے لئے غذا جسمانی کے ساتھ ساتھ قلبی و روحانی غذا بھی انہیں مہیا کریں جس سے کردار کی پختگی نصیب ہوگی جیسا کہ علامہ اقبال کو مسلمان قوم سے شکوہ ہے کہ۔
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاع کردار

(۲) توحید کا تصور صحیح انداز سے ذہن نشین کریں اور شرک کی لعنت سے بچائیں، ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی محبت کا سبق دینے کے بجائے علی طور پر دفا محمد سے آشنا کیا جائے اور دکھا دے کہ مسلمان بن کر۔ یعنی۔ کہتے تو ہم ہیں مسلمان رسول عربی کے مسمداق جب خود ماں باپ ہوں تو بچوں کو کیا اسلام کا فرزند و اسلام کی دختر بنا سکیں گے۔

(۳) دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی ضروری تعلیم بھی اولاد کو دی جائے مگر ایسی دینی تعلیم نہیں جیسا کہ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

جب پیر نلک نے ورق ایام کا لٹا : آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
 آیا ہے مگر اس سے عقیدہ دل میں تزلزل : دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز
 دین تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی : فطرت ہے جو انوں کی زین گزین تاز
 غم ہنس سے ہم اہنگی افراد سے باقی : دین زخم ہے تو جمعیت ہے اگر ساز
 بنیاد لرز جائے جو دیوار چین کی : ظاہر ہے کہ انجام گلستان کا ہے آغاز

(۴) ماں باپ کا بچہ تھا اہم فرض اولاد کے ساتھ انصاف ہے کہ سب کو تعلیم لباس اور ضرورت
 اور تیمارداری پر ایک ہی انداز سے روپیہ خرچ کریں اور ایک ہی قسم کا کھانا اور لباس مہیا کریں۔
 یہ نہیں کہ اولاد اکبر کو بھاری ملبوسات کہ وہ کما کر جلد لاکر دینے والے ہیں اور چھوٹی اولاد کو معمولی نوکریوں
 کے سے کپڑے کہ ابھی ان کو کما کر دینے میں دیر ہے۔ دسترخوان پر سب اولاد بیٹھی ہے۔ بڑی
 اولاد کو زیادہ سالن اور گوشت کی بوٹیاں اور چھوٹی اولاد کو برائے نام سالن اور ایک آدھ بوٹی۔
 اگر ماں کا یہ حال ہو اور باپ کے سوچنے اور عمل کرنے کا یہ معیار ہو تو قدرت ان سے زندگی میں بھی
 انتقام لے گی اور روز قیامت بھی وہ مستحق سزا ہونگے۔ ان کی جو امیدیں چاہنے والی اولاد سے وہ دابتہ
 کئے ہوئے ہیں اور دوسری اولاد کے ساتھ نا انصافی کر کے تو ایسی امیدیں ایک طرف تو ان سے پوری
 ہونا نہ ہونگی دوسرے عذاب الہی کا وہ شکار بن جائیں گے۔ ایسے امیدوں اور والدین کے بارے میں
 علامہ کہتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے تو میدی : مجھے بتا تو سہی اور کا فری کیا ہے ؟
 نلک نے ان کو عطا کی ہے خواہ مخا کی کہ نہیں : خبر نہیں روش بندہ بردی کیا ہے ؟
 ایسی غلط امیدوں پر زندگی گزری جائے اور نا انصافی سے کام لیا جائے تو اس کا انجام بھی علامہ
 اقبال سمجھا رہے ہیں۔

الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیگی تقدیریں : حقیقت ہے نہیں بے غلیل کی یہ خلاقی !
 پناہ خیمہ قارئین پڑھ آئے اور آگے پڑھیں گے کہ ناطقہ کے سسرال اور میکہ میں جس اولاد
 کو چاہا گیا وہی اولاد ماں باپ کے لئے باعث عذاب بن گئی۔

(۵) ماں باپ کی اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں دقت مناسب پر محبت
 کریں اور یکساں روپیہ سب پر خرچ کیا جائے یہ نہیں کہ ایک پر جذبہ محبت کے تحت تمام روپیہ
 خرچ کر دیا جائے دوسرے کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔

(۶) باپ اور خصوصاً ماں پر لازم ہے کہ وہ گھر کا ماحول پاک و صاف رکھیں اور غیبت ایک اولاد کی دوسری اولاد کے سامنے کر کے ایک کو دوسرے کی نظر سے نہ گزایا جائے، باری باری سے ہر اولاد کی غیبت دوسری اولاد کے سامنے کرنے سے یہ چیز خانہ بر باد ی اور آپس میں نفاق کا سبب بن جاتی ہے۔

(۷) شرک کے خیالات اور سماج کے غلط رسومات فضول خرچی سے بچا کر اولاد کو سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی بنایا جائے اور اسراف کو گناہ بنایا جائے۔ اسلام کی سادہ زندگی کو ختم کر کے حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان قوم مائیں بہ زوال ہو گئی جبکہ اس نے ہندوؤں کے رسم و رواج اختیار کئے۔ اسلام کی سادہ زندگی کے بارے میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماہر اے زب داغ جس پر غارہ زنگ تکلف کا نہ تھا

ہاں دکھا دے اے تصور بھر دہ موج و شام تو زب دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

تاریکین اس نقطہ کو ذہن نشین رکھیں کہ غلطی کے بجائے جیلانی کے ساتھ ماں باپ نے جو سلوک کیا جس کا ذکر کیا گیا۔ یہی فرزند دوم جیلانی خاندان کی آبروراندہ ماں باپ کی عزت بچانے کا اپنی زندگی کی غلطی قربانیاں دے کر سبب بن جاتا ہے جبکہ خاندان محکومی اور بے بسی مغلوبی کا شکار ہو جاتا ہے اسلئے علامہ اقبالؒ ایسے خاندانوں اور قوم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اس کی تقدیر میں محکومی و مغلوبی ہے

قوم جو کہ نہ سکی اپنی خودی سے انعام

باب سوم

(۱) میرے فتنے جامہ عقل و خرد کا تار و پلو ! (علامہ اقبال)

زمانہ وقت کے پر لگا کر اڑتا رہا۔ چند اور سال گزر گئے۔ اب فاطمہ بچہ پہلے ایک فر
ابراہیم کی ماں بن چکی تھی اب ایک اور مزید فرزند عابد کی ماں بن کر اس نے فتنہ کا ایسا تقوہ
کیا تھا جو اپنی آپ نظیر تھا۔ ابراہیم کی ماں بن کر اس نے بد دانش خویش اپنے آپ کو حضرت ا
بجھ رکھا تھا اور ساس و خسر اور سسرال کو حضرت اکمل جان کر اپنی دانست و خواب و خیال کی بنا
ذبح کر دینا ضروری سمجھ لیا تھا۔ اب اس کے دن رات کے فتنہ منظر عام پر آ چکے تھے۔ حد
تھی کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے وہ اپنے بچوں کو دادا دادی سے ملنے تک نہ دیتی تھی۔ دادا
ان کو دیکھنے ترستے۔ فاطمہ جو کسی سے نہ ڈرتی تھی مگر چپکلی کو دیکھتے ہی اس کی روح کا پ
تھی، مگر خود چپکلی کی صورت اور بڑی بڑی آنکھیں رکھنے والی فاطمہ جب کبھی اس کے بچے
دادی کا نام لیتے، وہ انہیں سنبھلی۔ کئی طرح بڑی بڑی آنکھیں نکال کر گھور گھور کر ڈراتی غ
خدا کا کہ جب اس کو حمام کرنے غسل خانہ جانا ہوتا تو وہ اپنے بچوں کو کمرے میں بند کر کے قفل ل
جاتی تاکہ بچے دادا دادی سے جا کر نہ مل لیں۔ بہر حال ہمہ وقت وہ اپنے سفلی جذبات کی تنگی
میں لگی رہتی۔ اس نے اپنے شوہر سے سسرال میں رہنے کے بارے میں کہہ دیا کہ

اب یہاں میری گزر لیکن نہیں ممکن ہیں کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو دادا

فاطمہ کی ساس بھائی کی بیٹی کو بڑی چاڑ سے بیاہ کر

پر کف آنسو مل رہی تھی۔ اس کے شوہر اس پر خفا

توڑے اور توڑم توڑی

ہو رہے تھے کہ تم نے بھائی کی بیٹی کو لاکر گھر کا سکون برباد کر ڈالا۔ خسر آپلے سے باہر ہو رہے
انہوں نے اپنے چڑھلے ہوئے سونے کے توڑے ہوئے کسی کام کا بیانا بنا کر طلب کئے۔ ہوس
توڑے و میں رکھتے ہوئے یہہ کہتے ہوئے کہ وہ میکہ میں ہیں ابھی جا کر لاتی ہوں، توڑے لے
ماں باپ کے گھر پہنچی اور توڑے باپ کے حوالے کر دیئے۔ اس کی حقیقی ماں نے جب اس کی فتنہ انگ
تقریر سنی تو بہرہم ہو گئیں وہ شاہ کی تاریخ سے اس کی فتنہ انگیزوں سے، اب بیزار ہو چکی تھیں

اس نے کہا ”ہمیں اور بھی لڑکیاں ہیں ان کی طرف بھی دیکھنا ہے“ تو نے تاریخِ ثنّادی سے سسرال اور ہمارا سکون برباد کر رکھا ہے۔“ تو نے خسر کے طلب کرنے پر توڑے دیئے کیوں نہیں؟ یہہ اُن ہی کے چڑھائے ہوئے ہیں، یہہ توڑے تیرے کام آئیں گے یا ان کی دعائیں بھی کوئی چیز ہیں؟ — تیری ان حرکتوں سے ہماری آبرو جا رہی ہے۔ ماں کی نصیحت کا فاطمہ پر کوئی اثر نہ ہوا وہ اب باپ کے قدموں پر گر کر رونے لگی۔ راتے راتے فرضی داستانِ مصیبت سنانے لگی۔ باپ کا دل بھرا آیا، سینے سے لگایا۔ کہا، ”بیٹی میری زندگی تک گھبرانے کی ضرورت نہیں اور توڑے لیکر بحفاظت رکھ دیئے۔“ ماں کا پارہ چڑھ چکا تھا۔ اس نے بیٹی سے کہا ”مکتوت! تیرے باپ نے میرا جہیز میں دیا اس قدر زیور بیچ دیا میں نے آف بھی نہ کی اور تو ان ہی کے لئے ہوئے توڑے دیئے سے انکار کر آئی جبکہ برسوں سے وہ تجھے تیرے بیروزگار شوہر اور بچوں کی کفالت کرتے آ رہے ہیں۔ اسے بدل نصیب —

کھو دئے انکار سے تو نے مقامات بلند! (اقبال) سے
ماں نے باپ بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا توڑے ان کے طلب کرنے پر دید و در نہ یہ توڑے
توڑم توڑی کروادے نیچے مگر فاطمہ پر کوئی اثر ہی نہ ہوا، بقول علامہ اقبال —
نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ دیرال سے : ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت ترخیز ہے ساقی
مگر فاطمہ کی مٹی میں نمی کا نام ہی نہ تھا وہ درحقیقت کشتِ دیرال تھی۔
فاطمہ بہر حال توڑے باپ کے پاس رکھا کر سسرال واپس ہو گئی اور خسر سے کہہ دیا کہ وہاں
سب مہمان گئے ہیں پھر کہی جا کر لائیں گی۔ فاطمہ کی ساس فاطمہ کے والد کو باپ کی جگہ سمجھتی تھی۔
اس کے شوہر کا داؤ اس پر بڑھ رہا تھا۔ آخر ایک دن آیا کہ بھائی بہن کی تکرار کی نوبت آگئی بہن
نے بھائی سے کہا ”میں آپ کو اپنا بڑا بھائی نہیں بلکہ باپ سمجھتی رہی — بھائی نے پوچھا —
اب تو نہیں سمجھتی ہونا —؟“ بہن نے حقارت سے منہ موڑ لیا۔
فاطمہ اپنے فتنہ انگیز لڑکوں پر مسکرا رہی تھیں گویا اس کی مسکراہٹ علامہ اقبال
کے اس شعر کی تفسیر تھی۔

ہے مری برأت سے مُشت خاک میں ذوقِ نمر

مرے فتنے جامِ عقل و خرد کا تار و پلو!

(۲) خضر بھی بے دست دیا الیکس بھی بے دست دیا داتااقدام خودکشی

فاطمہ کے شہر بھی روز کی کشمکش سے تنگ آچکے تھے۔ ایک طرف بیوی تھی تو دوسرے طرف ماں باپ — ایک ہمت کر کے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ فاطمہ نے پٹا سٹخ چھوڑنے شروع کر دیے، زبان بھول بھول چھوڑنے لگی۔ شہر نے ناقابلِ برداشت کیفیت میں آکر ایک ہلکا سا طمانچہ گال پر رسید کیا۔ غضب ہو گیا۔ فاطمہ نے شہر پر اس اور خسر کے چیا پلخ کر دیا کہ اگر وہ انہیں حوالات اور جیل بھجوا دے تو اپنے باپ کی بیٹی نہیں اس کا نام بدل دینا۔ اس قدر بڑے چیلنج کو شہر ساس اور خسر نے ایک جذباتی دھکی سمجھا۔ خاموش ہو رہے۔ نصف گھنٹہ بھی نہ گزر پایا تھا کہ فاطمہ کے منہ سے کاجاری ہو گیا۔ جس میں ہمہ اقسام کے رنگ اور زیادہ عمدہ رنگ شامل تھا۔ بڑی مشکل سے پتہ چلا کہ پٹے رنگتے کے جس قدر رنگ مرتبافوں میں رکھ کر باپ نے ایک صندوق بنوا کر بیٹی کو جہیز میں دے دیے تھے، اب بیٹی نے اس کا صحیح استعمال کیا اور سب خوشی جاں فرمائی کہ پولیس میں شہر ساس اور خسر کے خلاف بیان دیکر سب کے حوالات و جیل کے حوالے کر سکیں۔ اور جیل میں شہر ساس اور خسر کو چنگی پھینکتے ہوئے دیکھ کر اس کی روح خوش اور بارش بارش ہو سکے۔ فاطمہ کی حالت غیر ہونے لگی۔ فاطمہ کی سس درحقیقت کانپ رہی تھی۔ اس کے آنکھوں میں آنسو تھے اور قصہ میں بہہ کا دیا ہوا النی میٹم اور جیل کی سلاخیں۔ خسر کے چہرے پر ہوائیں تو ضرور تھیں، غم درد کے بادل و ماخ پر منڈلاؤ ضرور رہے تھے لیکن غصہ بھی چہرے سے نمایاں تھا۔ وہ مستقل مزاجی سہارا لئے بیوی کو سمجھا رہے تھے پر ان نہ ہوں۔ خدا سب ٹھیک کر دیگا۔ انہیں اپنے رسوخ اور اغرات پر زعم تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ میں پہلے ہو کی جان بچانے کی کوشش کرنی چاہیے پھر بچ جانے پر اقدام خودکشی کے دفعہ کے تحت پولیس سے مقدمہ عدالت میں دائر کروانا چاہیے۔ پھر ہی اب بھی کہہ رہی تھی کہ میرے بھائی کی بیٹی پر آپ مقدمہ نہیں چلا سکتے۔ شہر نے کہا یہ بحث کا وقت نہیں۔ فوراً گھر کی موٹر میں دعا خانہ لے گئے اور میکہ کو زہر کھانے اور دعا خانہ عثمانیہ لیجانے کی اطلاع دے دی گئی۔ ماں بیچاری بدحواس ہو چکی تھی اس کے خون کا دباؤ بڑھ گیا وہ بستر پر دانا ہو گئی ضعیف باپ کے چہو کا رنگ زرد اور آنسو بہہ کر ریش مبارک کو تر کرنے لگے۔ وعشہ تو تھا ہی اور بڑھ گیا۔ آخر زرد دوم جیلانی نے سبھا لا اور موٹر لاکر دعا خانہ عثمانیہ پہنچے۔ اس تک پیٹ دھو دیا

جا چکا تھا۔ آخر پولیس آگئی۔ فاطمہ کا بیان لینے کی بہت کوشش کی مگر فاطمہ کے خسر نے اثرات سے پولیس کو بیان لینے سے باز رکھا۔ خود فاطمہ کے نیک دل و دلی صفت باپ نے جو منصف جسٹریٹ بھی تھے پولیس کو بیان لینے نہ دیا اور اتفاقی غلط فہمی کا بنا۔ پردوا سمجھکر کھالینا بتلایا۔ وہ کسی طرح اپنے بہن بہنوئی کے خلاف کوئی کاروائی کے لئے تیار نہ تھے۔ بہر حال چونکہ فاطمہ کو مزید گناہوں کی انجمن ہی اور فتنے مچانے عمر درکار تھی لہذا وہ اچھی ہو گئی اور ذرا خانہ سے باپ نے اپنے گھر چند یوم کے بعد نالیا۔ فاطمہ باپ پر بھی دل ہی دل میں خفا تھی کہ اس کے باپ نے اس کی تمام محنت پر پانی پھیر دیا۔ اس کے شہر ساس اور خسر کو جیل روانہ کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی، اس نے اپنا نام بھی بدلنے کا الٹی میٹم دیا تھا۔ لوگ آپس میں سسرال میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ فاطمہ نام اور عرف محمدی بیگم ہے بدل کر کیوں نہ مفیدی بیگم رکھ دیا جائے، دوسرا کہہ رہا تھا مفیدی بیگم بھی ٹھیک نہ رہے گا، شیطانی بیگم مناسب اور بہتر رہے گا، اس میں کہہ رہی تھی ”ابا وہ بہو نہیں“ باڈ“ ہے اور فاطمہ علامہ اقبال کی زبان میں گویا کہہ رہی تھیں

خضر بھی بے دست دیا اکیس بھی بے دیا
مرے طرفان یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو

نام تبدیل کرنے کے احکام

حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ میں پیدا ہوئے اور آپ کا نام تبرکاً محمد رکھا گیا اور دربار رسالت مآب صلعم میں لاکر پیش کیا گیا حضور نے نام پوچھا، عرض کیا گیا ”محمد“ رکھا گیا ہے، ارشاد ہوا کینیت بھی اسکی ابو القاسم ہوگی۔ حضرت عمرؓ کا دور خلافت آگیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنا کتاب ”الاصابہ“ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطابؓ کے پڑپوتے کا نام بھی محمد تھا۔ کسی نے پکار کر نام لیکر انہیں صرا کہا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو زیدؓ کے پڑپوتے محمد کو بلوایا اور فرمایا کہ تمہارا نام کی وجہ سے ”اسم محمد“ کی توہین نہیں کیجا سکتی اور نہ بے ادبی کا اس نام مبارک کو نشان بنایا جا سکتا ہے۔ آج سے تمہارا نام محمد کے بجائے عبدالرحمن ہے۔ پھر احکام دربار خلافت سے جاری ہوئے کہ جس کا نام محمد ہے بدل کر دوسرا رکھا جائے کہ اس نام مبارک کی توہین اور بے ادبی نہ ہونے پائے محمد بن طلحہؓ واحد شخص تھے جو دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المومنین میرے نام کی منظوری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہوا اس منظوری کے بعد میں کون ہوتا ہوں تمہارے نام کو بدلنے والا۔ بقیہ کے نام

بدل دینے کا حکم فرمایا۔

مدرجہ بالا احکام دربار خلافت سے امیر المومنین فاروق اعظمؓ سے صادر ہونے کے بعد اگر فاطمہ نام جو خاتونِ جنتؓ دختر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور محمدی نام کی نسبت اصل نام رسول پاکؐ ہے بدل کر آئندہ سے ہم مقدی بیگم پکاریں تو یہ فاروق اعظمؓ کے حکم کی تعمیل

(۳) اطاعتِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی دعلا آجائے

باب کو فاطمہ نے سود کی لعنت میں پھنسا دیا | فاطمہ کے شوہر ابی تک بے روزگار تھے اب مقدی بیگم اس دوسرے کے پاس کھانا چاہتے تھے نہ رہنا۔ علحدہ ہانڈی چولہے کے لئے استغاثہ آمدنی کی ضرورت تھی۔ منصف مجسٹریٹ صاحب مال اور اولاد کے بارے میں ہمیشہ کہا کرتے تھے اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ مال اور اولاد نعمت ہے وہ اب اپنی بیٹی کے فتنے میں آگئے اور اس قول کو بھول گئے۔ بیٹی سے کہا ”رہنا تو تجھے سسرال میں ہوگا البتہ تو پکوان علحدہ کر لے“ اولاد سونے کے توڑے بیچ کر ایک مکان رہن کا لیا کہ اس کے کرایہ سے بیٹی گزراوقات کر سکے اور اس آمدنی کو بھی کافی نہ جان کر جہیز میں دیا ہوا زیور کا ایک حصہ بھی فروخت کر کے ایک اور رہن کا مکان لیا کہ اس کا بھی کرایہ اگر کفالت کر سکے۔ عالم خاندان کے سپوت اور بہ ذاتِ خود عالم منصف مجسٹریٹ صاحب بیٹی کی نجست میں یہ بھی بھول گئے کہ کرایہ کا شمار بالکلیہ صاف اور صریح سود ہے مگر تمام رشوت سے برہیز کرنے والے عالم مجسٹریٹ صاحب بیٹی کی خاطر سود کے کاہد بار میں پھنس گئے بلکہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود کھانے والا سود کی دستاویز لکھنے والا حتیٰ کہ سامنے رہنے والا سب برابر کے گنہگار ہیں۔ ایسے ہی موقع پر علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جاننا ہوں یہ امت حاملِ قرآن نہیں تو ہے دہی سرایہ بندہ مومن کا دین

جاننا ہوں کہ مشرق کی اندھیری تائیں بے ید بیضیا ہے پیرانِ حرم کی آستین

مقدی بیگم کا جسم جب تک باپ کے گھر میں قیل شادی تھا حلال کی کٹائی سے پرورش پاتا تھا اور بعد شادی حلال اور حرام دونوں روپیہ یعنی روپیہ رشوت جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت ہے“ گویا بعد شادی لعنت کے روپیہ میں جسم پرورش پاتا اور اب تو کس غلامت کے روپیہ سے جسم پرورش پاتا تھا

اس کی تصدیق اس حدیث شریف سے ہوگی کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک عورت حاضر دربار نبوت ہوئی اور کہا کہ میں نے عہد جاہلیت میں منبت کی تمی کہ اگر مجھے بچہ ہوگا تو اس کا پانا خانہ کھاؤں گی۔ اللہ نے مجھے بچہ دے دیا لیکن اب اس منبت کو پورا کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہو رہا ہے۔ ارشاد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تو اپنی منبت پورے کر۔ اپنے گھر کا کھانا ایک سو ذرہ کے گھر کی "ادلتی" کے نیچے بیٹھ کر کھالے نجاست پانا خانہ بول دربار کھانے کے مساوی ہو جائے گا۔ اب مفصلی بیگم ان کے سید زار سے شہرہ آرزو بچوں کا گذارہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں نجاست و غلاط بہر ہو رہا تھا۔ علامہ شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

اے طاہر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ہے جس رزق سے آتی ہو پرداز میں کرتا ہی

آخر ایک وقت آیا کرایہ آنا بند ہو گیا مقدمہ جات دائر ہوئے وہ مکان جو مجسٹریٹ کے جیسر کے دیئے ہوئے زیورات کو فروخت کر کے ایک دیل سجاد علی سے رہن لیا گیا تھا۔ اجلاس سوم عدالت دیوانی بلکہ میں کامیاب رہا۔ سجاد علی نے اپیل اجلاس اول بمذ کی دہاں بھی یہ مقدمہ کامیاب رہا۔ سجاد علی دیکر نے ہائیکورٹ میں اپیل کی منصف مجسٹریٹ کا انتقال ہو چکا اس کے فرزند دوم حلالی نے پیرہی کی اور جب مقدمہ بغرض سماعت اجلاس ہو آیا اجمیر ہائیکورٹ کی ایک نظیر جو حال میں بنی تھی سجاد علی دیکر نے پیش کی کہ کاروبار دہن دراصل سود ہیں اس کے لئے دہن لینے والے کو سود کے لینے دینے کا لائسنس (LICENCE) حکومت سے باضابطہ لینا چاہئے اس کے بغیر کوئی مقدمہ قابل پیش رفت نہیں ہو سکتا۔ تمام منبت برباد ہو گئی آٹھ ہزار کرایہ (دسویں) باقی تھا اس کا تو سوال ہی کیا تھا اصل تین ہزار خطرے میں پڑ گئے۔ آخر مجسٹریٹ صاحب کے فرزند دہن نے سجاد علی سے چند دکان کو درمیان میں ڈال کر صلح نامہ کر دیا جس کی رو سے اصل تین ہزار واپس مدعیہ مفدی بیگم کو مل گئے۔ وہ مقدمہ جو توڑے فروخت کر کے مکان رہن نہیں لیا گیا تھا سرسبز بھی نہ ہو سکا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ وہ مکان جو منصف مجسٹریٹ صاحب کے جیسر میں دیئے ہوئے زیور فروخت کر کے دہن لیا گیا تھا حلال کی کال سے زیور خریدے گئے تھے لہذا روپیہ اصل مل گیا۔ توڑے جو فروخت کر کے مکان رہن لیا گیا تھا اس کے دو دھوہے ملے آتے ہیں کہ اولاً توڑے خود رشوت کی کال سے خریدے گئے تھے پھر اس اور خسر کی بددعائیں علمدہ ساتھ تھیں وہ روپیہ سود مع اصل کے ڈوب گیا۔ ان اگر غور کرے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرت ایک دن آتا ہے کرایے فصل کر دیتی ہے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو کر سامنے آجاتا ہے مگر اس کو سمجھنے کے لئے جہنم بھرت

اور دیدہ عبرت نگاہ در کلمہ ہوتا ہے۔ مگر جب مسلمان صرف برائے نام مسلمان ہو اور ایمان کی گری سے محروم تو یہ راز اس پر فاش کہیں سے ہو سکتے ہیں۔ بقول شاعر مشرق
مصلحت کج دیا میں نے مسلمان تجھے ؛ تیرے نفس میں نہیں گئی لوم الفتور

باب چہارم

(علامہ اقبال) ۱۱) خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی

بہر حال اب مفدی بیگم اپنا پخوان نیک اور مقدس رویہ سے علیحدہ کر کے سسرال میں مقیم اور خوش تھی۔ جب کبھی میکہ آتا مسکراتی آتا مگر جلدی فتنہ اس کا پارہ پڑھا ہوا جوتا۔ صرف باپ کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر آنکھوں پر لی تھی دوسرے بڑوں کو سلام کیا کرتی صحت بری بنا کر منہ بھلا کر گویا سر پر سے کھچی اڑائی۔ محصور بھائی بہن محبت اور ادب سے اسے سلام کرتے تو منہ بھلائی صرف آنکھیں نکال کر گھور کر دیکھ لیتی۔ خود اسکی حقیقی ماں اس پر بھید خفا تھی۔ وہ اسکی فتنہ انگیزان سے بھید ہیزار ہو چکی تھی اور توڑے نہ دینے، زہر کھانے، زیورات بیچ کر مکانات رہن کے لیکر اس سود کی کٹائی سے علیحدہ زندگی کرنا سب باتیں انہیں ناپسند تھیں۔ وہ بیٹی کو ہمیشہ سمجھاتی کہ باپ کے ناز اٹھانے کی عادت نے تجھے تباہ کر ڈالا۔ اسے یہ قوت۔

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرا اچھا ؛ ناز بھی کر تو باندا زہ رعنائی کر (اقبال)
جب مفدی بیگم کا ذکر آتا ماں غصہ سے بھر جاتی اور کہتی ”حرام زادی مٹی“ سمجھتی ہے کہ وہ بھڑک واحد اولاد ہے، ہمیں اور اولادوں کی طرف بھی تو دیکھنا ہے۔ یہ بیٹی تو ہمارے لئے رسوائی بن گئی ہے۔

مفدی بیگم نے اب اپنے کو سلامی میں ملی ہوئی نفردی اشیاء بڑی بے دردی سے فروخت کر داکے اپنے شوہر بادشاہ سلامت کو سیکل دلوائی کہ اب وہ حال باپ کی بجلی یا موٹر استعمال کریں اور اپنی ذاتی سواری استعمال کر کے اپنی خودی کا تحفظ کریں۔

بادشاہ سلامت ملازمت تحصیلداری پر
اب ساس اور خسر نے ان حرکات کو دیکھ کر بڑے غمزے سے کام لیا

ادریفیلہ کر لیا کہ بہر کے ساتھ بیٹے سے بھی ہاتھ دھو لینا اور بیٹے کو بہر کے حوالے کر دینا ہی عزت بچاؤ اور دوسرے دور کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے لئے اہل دل نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے لئے ایسی ملازمت تلاش کرنا چاہیے کہ ملازم بڑی اضلاع کی ہوجائیں اور وہ وہاں خوش رہیں اور ہمیں یہاں سکون نصیب ہو۔ بادشاہ سلامت تو میٹرک پاس نہ تھے لیکن ان کے والد کے اثرات محکمہ مال میں زبردست تھے اسلئے بیٹے کو تحصیلدار کے امتحان میں بٹھا کر اثرات ہی اثرات کے زور پر کامیاب کروایا۔ پھر پانچ گاہ آسمانی باہی میں نواب معین الدولہ کی بارگاہ میں نذرانہ اور عہدہ پیش کر کے احکام تحصیلدار پانچ گاہ مفرغ خانہ شہر آباد کے لئے حاصل کر لئے۔ اب داماد کو کلام سکھانے منصف مجبڑیٹ صاحب کو ان کے مستقر جانا پڑا۔ جس خانہ دان کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ جنوبی ہند کا ایک ریاست آصفیہ کے متعلق خانہ ان ہیں۔ لہذا مناسب ہو گا کہ ایک نظر اس وقت کے سیاسی حالات پر ڈالی جائے تاکہ معلوم ہو کہ یہ پانچ گاہ کیسے جہاں نان میٹرک کو تحصیلدار مل گئی۔

(۲) ہر کوئی مست مئے زوق تن آسانی ہے (علامہ اقبال)

سلطنت آصفیہ پر ایک نظر
 اور سلطان حکومت تھے۔ ہندوستان میں پانچ سو ۵۰۰ ریاستیں تھیں جو انگریزوں کے زیر اثر نیم خود مختار حیثیت سے اپنے آپ میں ملگن تھیں، لیکن ان میں سب سے بڑی واحد ریاست سلطنت آصفیہ تھی جس میں سک، ٹپہ، ریلوے تک علم ذہ تھے۔ حیدر آباد اس کا پایہ تخت تھا۔ اس ریاست کے بانی قمر الدین آصفیہ اہل تھے جو یہاں کے صوبہ دار تھے۔ مغلیہ خاندان کو نسبت نالرد ہوتا دیکھ کر ۱۶۶۷ء میں اعلان خود مختاری کیا تھا گویا یہ سلطنت مغلیہ سلطنت کی ایک یادگار اور نشانی سمجھی جاتی تھی۔ اعلان خود مختاری کے وقت اس سلطنت کے حدود کافی وسیع تھے لیکن ان کے نال جان شیخوں سے انگریزوں نے کافی اضلاع ازماء محبت انہیں کمزور دیکھ کر جمیع کر اپنی حکومت میں شامل کر لئے اور خوش کرنے انہیں "یا روفادار سلطنت برطانیہ کا خطاب دے ڈالا۔ یہ سلطنت نیم خود مختار انگریزوں کے زبردست آہنی پنجہ میں نہ کر اندرونی معاملات میں آزاد تھی اور چار حسب ذیل صوبوں پر حسب ذیل سولہ اضلاع پر مشتمل تھیں۔

- (۱) صوبہ اورنگ آباد جس کے اضلاع (۱) اورنگ آباد (۲) پرہی (۳) بیئر (۴) نانڈیڑ تھے یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو یہ اضلاع سربراہ سٹیٹ بمبئی میں ضم کئے گئے۔
- (۲) صوبہ بکسر جس کے اضلاع (۱) بکسر (۲) راجپور (۳) عثمان آباد (۴) بید تھے۔ یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو یہ اضلاع کرناٹک سٹیٹ میسور میں ضم کئے گئے۔
- (۳) صوبہ میدک جس کے اضلاع (۱) میدک (۲) نظام آباد (۳) محبوب نگر (۴) بنگلہ تھے
- (۴) صوبہ درنگل جس کے اضلاع (۱) درنگل (۲) کریم نگر (۳) عادل آباد تھے۔ ریاست کا ضلع حیدر آباد پایہ تخت تھا ۳۰ د علاقہ یہ دونوں صوبوں کے سات اضلاع اور پایہ تخت حیدر آباد

یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو آندھرا میں ضم ہو کر آندھرا پردیش کا نام دیا گیا۔ نظام کی ریاست جس کا خاتمہ ۱۹۴۸ء ذریعہ پولیس ایکشن ہوا تھا اب اس ریاست کا نقشہ یک بدل دیا گیا۔

جن خاندانوں کی داستان اب تک ہم بیان کر چکے ہیں یہ حکومت آصفیہ کی آخری فرمانروا میر عثمان علی خاں کے دور حکومت سے وابستہ ہے جنہوں نے اپنی ایک غزل میں عالم جذبہ میں آکر کہا تھا۔

سلاطین سلف سب ہو گئے نذر اجل عثمان
اس کا جواب ایک مرد مجاہد قائد ملت ذاب بہادر یار جنگ جادو بیاں خطیب نے ایک جلسہ عام میں دوران تقریر مصرع نمائی کی یوں تریم کر کے دیا تھا کہ۔

”مسلمانوں سے تری سلطنت کا ہے نشان باقی“

وقت گزر گیا حقیقت سامنے آگئی کہ میر عثمان علی خاں کی زندگی ہی میں ان کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہی مگر مسلمان مرنے لگے۔ آج بھی باقی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمان جب بھی زوال پذیر تھا اور آج بھی زوال پذیر ہے۔ حکومت آصفیہ ختم ہونے کے اسباب یوں تو بہت طویل ہیں مگر یہاں اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ اس میں شان آصفیہ اور خود میر عثمان علی خاں کی آخری عمر کی بے راہ روی اور مسلمانوں کے اپنے اعمال جو وہ عالم بیخودی میں مذہب سے دھوکہ کر رہے تھے بڑا دخل تھا۔ جس نے قہر خداوندی کو جنبش دی۔ بقول شاعر مشرق۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کرتی ہے
آصفیہ کی حکومت صرف دیکھنے اور کہنے کو اسلامی حکومت تھی اگر اس دور میں کوئی خوبی

تھی تو بس ایک ہی کہ مسلمان، ہندو آپس میں محبت سے رہتے تھے۔ افسوسناک بات یہ تھی کہ مسلمان خود مسلمان سے ٹکراتے اور محمد کرتے اور لغویات اور آرام طلبی کے دلدادہ بن گئے تھے۔

۴ صفا ہی حکومت کا سالانہ بجٹ ریاست کا (۱۹۴۲) کروڑ روپے تھا جس میں سے چودہ کروڑ کی آمدنی محکمہ آبکاری یعنی سیندھی شراب انڈسٹری کے اشیاء سے ہوتی تھی۔ سود کے کاروبار زوروں پر تھے علاوہ مارواڑی سا ہوکاروں جو چوٹی کے تھے عرب اور بنگھان بھی سود پر روپیہ چلانے لگے تھے۔ سود کے کاروبار چلانے اس اسلامی حکومت میں لائسنس میٹا ب حکومت دیا جاتا تھا۔

اور علاوہ اتنی سود کو جائز قرار دیکر سود لاتی تھیں۔ احکام شریعت میں ہر طرح کی مداخلت ہوتی تھی شراب سیندھی پینے کی عام اجازت ہو رہی کرنے پر سزا شرعی کو ایک سخت نسخہ کر دیا گیا تھا اور سزا قید خانہ کی سمجھ لائی تھی۔ قتل کے مقدمات میں از روئے شریعت قاتل کو سزا قتل کی دی جاتی تھی لیکن حکمران وقت میر عثمان علی خان نے آخری عمر میں اپنے کو اللہ اور رسولؐ سے بھی زیادہ رحمدل ثابت کرنے اللہ اور رسولؐ کے احکام میں تبدیلی کو ضروری سمجھ لیا تھا۔ جب ٹریکٹور سے قاتل کو سزا موت صادر ہوتی اور بغرض توثیق مثل فرمانروا کے پاس پیش ہوتی تو اپنے کو مقتدر اعلیٰ سمجھ کر قاتل کے لئے بجائے سزائے موت کی توثیق کرنے کے اس سزا کو سزا جیسی دوام یعنی عمر بھر کی قید میں تبدیل کر کے شریعت مجری میں تبدیلی کو اپنے اقتدار اور رحمدلی سے حکمران وقت تعبیر کرتا اور شریعت میں تبدیلی کر کے مداخلت کا مجرم بننا۔ ایمانی جذبہ کسی شعبہ میں کسی فرد میں کارفرما نظر نہ آتا تھا۔ مذہب سے دوری حد لیں پرانی ہو چکی تھی۔ سیندھی و شراب کے میخانے تو کھلے تھے، شریعت کے میخانے بند ہو چکے تھے چنانچہ حضرت اقبالؒ اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند، اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
 چند نیک ہتھیلیاں تو ضرور ہوں گی۔ بظاہر نہ ہونے کے سادی تھیں۔ عام طور پر دکھاوا
 ہی دکھا داتا تھا، علماء دارحیاء اور علمائے ادب و فرائض سالوس کے اندر نظر آتے تھے۔ اکثر علماء و مفت
 خور حکومت سے منصب اور فطریقہ لیکر جس میں آبکاری کی رقم شامل تھی گزراوقات فرماتے۔ غضبِ خدا
 کو کئی علماء کو لومیہ مناجہب کے علاوہ مقلعہ زینات عطا کئے گئے تھے۔ (ان زمینات میں ٹاڈ (سیندھی)
 کے درخت جو ہوتے وہ حکومت کے زیر نگرانی رہتے اور سالانہ فی درخت چھ روپے کے حساب سے
 کئی درختوں کے سینکڑوں روپیہ انہیں ملتے جس کے وہ وقت سے پہلے بوجہ قرضداری غنتر رہتے
 اور اس روپیہ کو حلال سمجھ کر بڑے مزے سے زندگی بسر کرتے اسلئے حضرت اقبالؒ نے ان کے

بارے میں فرمایا ہے۔

پیران کلیسا ہوں کہ شیخالِ حرم ہوں ۛ نے جدتِ گفتار ہے نہ جدتِ کردار
اب حجرہٴ مصفیٰ میں وہ فقر نہیں باقی ۛ خوں دل شیرانِ ہوجس فقرہ کی دستانِ
مختصر یہ کہ آصفیٰ حکومت کے مسلمانوں میں اب انتہا درجہ کی تن آسانیں لغویاتِ اسرافِ ہند
کے لاتعداد رسومات کو مذہب سے زیادہ اہمیت دینے کے تباہ کن جذبات تھے۔ مسلمان ہمیشہ مارا ڈیور
سردخواروں کے خونی پنجے میں جیسے عام آدمی سے لیکر اونچے طبقہ یعنی ناب جاگیردار تک مبتلا
بھنسا ہوا تھا۔ باہر سے آئے ہوئے عرب اور پٹھان تک سود خوار بن کر دم اور مذہب کے لئے
بنے ہوئے تھے۔ مسلمان قوم سینہٴ کے بجائے تیزی سے زوال کے غار میں گری جا رہی تھی۔ بلا لحاظِ خدا
دولت کثیر جاگیرات بھی مقلعے یومیہ انعام معمولی منصب اگر بار جو بلا محنت ماہانہ ملا کرتا تھا قوم کی
کاباعت بن رہا تھا۔ ریاست میں تقریباً ایک ہزار تو جاگیردار تھے، ریاست کی تقسیم در تقسیم حبِ زلیٰ
(۱) علاقہ دیوانی یا خالصہ۔ اس علاقہ کی آمدنی سے ریاست کے کاردار چلتے تھے۔

(۲) علاقہ صرغماں مبارک۔ جس علاقہ کی آمدنی شاہانِ آصفیٰ اور ان کے خاندان کے لئے وقف تھا
اس کا رقبہ (۸۷۹۰) مربع میل تھا جو (۱۸) تعلقوں میں منقسم تھا۔
(۳) علاقہ سسماں :- ایسے جاگیرداروں کو کہا جاتا تھا جو ہندو کو راہم فوجی خدا یا بالور اُختا مانا دے
(۴) علاقہ جاگیرات :- جو کسی نہ کسی صلہ میں جاگیرات عطا کی گئی تھیں جس کی تعداد ایک ہزار
کے قریب تھی۔ جاگیردار معہ متعلقین عیش و عشرت اور ساہوکاروں کے قرضہ
تن آسان اور نیکے بن کر زندگی بسر کر رہے تھے۔

(۵) علاقہ پائیگاہ :- یہ نظام کے ہنوائی ابراہیم شیخ جنگ کو دیا گیا (۱۷۳۷) مزید سیل کا علاقہ تھا
مالگناری ۳۵ لاکھ بعد میں یہ ایک پائیگاہ تین حبِ زلیٰ پائیگا ہوں میں بٹ گئی

(۱) پائیگاہ خورشید جاہی (۲) پائیگاہ آسمان جاہی - اس پائیگاہ سے مفید
بیگم کے خسر اور شہر کا تعلق تھا۔ (۳) پائیگاہ دھارا لامالی۔

کوئی آنے والے دور کا اندازہ لگانے کی تیار ہی نہ تھا سب کو زمانہ بقیل حضرت اقبال آواز دے رہا تھا کوئی سننے تیار نہ
سلطانی جھور کا آتا ہے زمانہ ۛ جو نقش کہیں تم کو نظر آئے مٹا دو
شاہی خاندان ہر کہ جاگیردار منصبدار و میردار ہر ایک لغویات کا مجسم بنا اپنے آپ کو سلطانِ بھکر اقبال کے اشعار کا تفسیر بنا رہا
خوری کو جب نظر آتی ہے تاہری اپنی ۛ یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطان

باب پنجم

توسید ہاشمی کی اولاد

(علامہ اقبال)

سید زادے کے زمانہ تحصیلداری کے افسوسناک کارنامے | اب سید زادے

ضلع اورنگ آباد جو پائینگاہ کا تعلق تھا۔ مستقل تحصیلدار بن چکے تھے۔ پائینگاہ کی آمدنی کے لحاظ سے کئی عہدہ داروں کا تقرر نہیں کیا جاسکتا تھا اور تعلقہ جات پائینگاہ جاگیرات چونکہ سرکار عالی کے تعلقات کا نسبت چھوٹے، برستے تھے لہذا افضل خصوصیات کا اختیار یعنی عدالتی اختیارات بھی تحصیلدار کو دے دیتے جاتے تھے یعنی عدالت کے دیوانی محدود مالیات کے اور فوجداری کے کم سزا کے مقدمات تحصیلدار کے پاس پیش ہوتے اور بحیثیت منصف مجسٹریٹ فیصلہ صادر کرتا تھا۔ علاوہ ازیں سب رجسٹرار کا عہدہ بھی تحصیلدار کو حاصل تھا یعنی سکانات اور زمینات و جائیداد کی حد تک رجسٹری کرنا بھی اس کے ذمہ تھا۔ پولیس پائینگاہ کا سب انسپکٹر بھی اس کی ماتحتی میں کام کرتا یعنی تحصیلدار اس کا عہدہ دار اعلیٰ ہوتا۔ گریڈ پائینگاہ کا تحصیلدار چھوٹے سے تعلقہ کا بادشاہ وقت ہوتا۔ اب کیا تھا۔ بادشاہ درحقیقت بادشاہ بن گئے تھے تو وہاں تحصیلدار کی بمقابلہ سرکار عالی کے تحصیلدار کے بہت کم گنا جائز گذنی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ حکم مال سرشتہ عدالت محکمہ رجسٹری پولیس۔ ہر طرف سے رشوت کی نہریں بہتی ہوئی تحصیلدار کے پیٹ کے سمندر میں لاگتی تھیں۔ اب سید زادے تحصیلدار صاحب کارنگ ہی اد تھا۔ کافی مرے ہرچکے تھے تو نہ نکل آیا تھا۔ واہ سید زادے! شاعر شرق نے کس قدر دکھ سے کہا ہے۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ! خاکِ دہنوں میں مل رہا ہے ترکاں بختِ کرش

سید زادے تحصیلدار کا عہد زریں | پھر تحصیلدار صاحب کا تبادلہ لاڈلہ لادنگوی سے

کا تعلقہ تھا مگر لاڈلہ لادنگوی سے کافی بڑا۔ یہاں تو رشوت کی دریا بنی بہتی ہوئی تحصیلدار کے پیٹ کے سمندر میں گرنے لگیں۔ تو نہ اس قدر بڑا ہو گیا کہ دیکھنے سے ہیبت ہوتی تھی۔ تحصیلدار فی صاحبہ بھی اس قدر

موٹی ہو گئیں اور دونوں کی گردنیں اس قدر موٹی ہو گئی تھیں کہ اگر پھانسی بھی دینی پڑے۔ عام بھندا ناکافی ہوتا اور آپیشل بھندا بنا نا پڑے۔ اب تحصیلدار صاحب اور تحصیل آپ کو زمین و آسمان، چاند و سورج کے مالک سمجھنے لگے تھے اور شیلان کی جانب سے اس شعر کی تفسیر بن کر قہقہہ لگا رہے تھے۔

ہے مرے دست تصرف میں جہاں رنگ و لہو، کیا زمین کیا مہر وہ کیا آسما

جہاں تحصیلدار صاحب اور تحصیلدارنی صاحب

لغویات و اسراف

تغیر و اخلاق و کردار میں بدلتا کر رہا تھا۔ شاہ خرچی اپنے حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ ط اب سید زادے تحصیلدار صاحب مستقر پر سنبھلے گئے تھے۔ پکوان کا حکم اپنے شباب یہ نہیں کہ غربا اور مسکینوں کو کھلایا جا رہا تھا۔ تحصیلدار صاحب ہوں کہ تحصیلدارنی مقولہ کے قائل و حامل تھے کہ ”میں میرے بچے بقیہ سب لے لے“ کوئی سالن اب اور بادام اور اعلیٰ گھی کے بغیر نہ پکاتا تھا۔ زید العابدین نقل نہیں بہت منہ چڑھا بارہ دو بگٹی سے حیدر آباد روانہ کیا جاتا۔ شہر سے دی۔ کابھی کپنی اور عزیز کپنی اور تھمر کس میں انکس کریم اس قدر دور فاصلہ و مسافت سے اور ان گنت لغوی نصف سے زائد روپیہ تو زید العابدین کے جیب میں جاتا۔ گویا تحصیلدار کا یہ د سے لٹا نہ جائے پیچھے سے ہاتھی چلا جائے۔ وہ اپنی علاقائی بھادراج کو جسکی مالی باوجود اسکی درخواست کے پانچ روپیہ ماہانہ دینے کو شاید گناہ اور اسراف سمجھتے تھے۔ کپڑے۔ جھون تھا۔ پانچ پچھ بچے ہو چکے۔ دو درجن کپڑے ملے جاتے۔ تحصیلدار صاحب جب کو گھورتے، جن جن درکانات میں طبیعت چاہی گھس جاتے۔ ضروری غیر ضروری کپڑا کاسان سوٹ کیس جینی کے برتن ہوں کہ کسی قسم کے ظروف سیکڑوں روپیہ کے خرید۔ روپیہ برباد ہوتا رہا۔ کبھی نہ سونا خریدنے کی توفیق ہوئی نہ بچیوں کے لئے چیزیں بچ کر نہ خریدنے کا خیال۔ تحصیلدار صاحب اپنی بیوی کو تک روپیہ ہاتھ میں دینے کے قائل نہ رہے کے جیب میں رکھتے اور مطمئن رہتے کہ وہ محفوظ ہے جب شیر دانی نکال کر لٹکا دیتے اور یہ یا خواب غفلت میں ہوتے تو تحصیلدارنی صاحبہ اطمینان سے معصوم بن کر ہاتھ صاف کرتی صورت بنا کر بیٹھ جاتیں۔

تحصیلدار صاحب کے ڈو بگنڈی کا
زمانہ تحصیلداری وہ زمانہ تھا

سیدزادے تحصیلدار کا دماغ فلک پر

مکہ سیدزادے تحصیلدار صاحب فلک پر اڑ رہے تھے۔ والدہ اور والد کا انتقال ہو چکا تھا جائیداد
صاحبوں کے عدم اتفاق کی بنا پر ہراج ہو گئی ہر بھائی تین تین ہزار روپے لیکر خوش تھے تحصیلدار
صاحب کے پاس تو تین ہزار روپے بمشکل تین دن رہ سکتے تھے۔ ماں باپ کے گھر کا سامان تک
راج ہو کر بانٹ لیا گیا۔

تحصیلدار صاحب بد زمانہ تحصیلداری ڈو بگنڈی جب شہر چنڈیرم رخصت لیکر آتے تو شہر کی بڑی
سے بڑی ہوٹل مثلاً دی۔ کا۔ جی یا عزیز یہ میں قیام کرنے لگتے تھے۔ نصف گھنٹہ کے لئے سسرال آتے اور
یہ متانت اور شاہانہ انداز سے خوشہ اسرار صاحب سے مل کر جاتے۔ کھانا کھانے کا ترسوال
کیا تھا۔ چائے بھی پیش کیجاتی تو اسے دیکھ کر صورت حلا کر کہتے۔ عزیز یہ ہوٹل اور دی کا جی
مثلی وغیرہ کے کھانے اور چائے کی بات ہی کچھ اور ہے۔

تحصیلدارنی صاحبہ جب میکہ آئیں تو
سلام لینے کا انداز ہی بدل گیا تھا

تحصیلدارنی صاحبہ کا سلام لینے کا انداز

میکہ کو اپنی تحصیل کی رعایا سمجھنے لگی تھیں، گردن اس قدر موٹے ہو گئی تھی کہ بڑوں کے آگے بھی جھک
سکتی تھی۔ سلام قبل کرنے کے بھی حدود مراتب مقرر فرمائے تھے۔ کسی سے کوئی کام یا عرض
بستہ ہوتا البتہ رکھنے کی حد تک کوئی چھوٹا بھی سلام کرے تو بلائیں نی جاتیں چونکہ ان کا برادر
م جیلانی ان کے مقدمہ کا نگران تھا اسلئے بلائیں اس وقت تک بلائیں جب تک کام رہا۔ جس کسی
سے کام نہ ہو اور وہ تحصیلدارنی صاحبہ کو سلام کرنے کی عزت حاصل کرے تو صرف ہونٹ ہلے آواز
سلائی ہی نہ دیتی۔ ہونٹ کا ہلنا بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس سے کم اعزاز کسی کو دینا ہوتا تو سب کا اشارہ
تھا، گویا یہ بھی ایک اعزاز تھا جو سلام کرنے والے کو بخش گیا۔ آخری اعزاز جو کم مرتبہ بد نصیب
دیا جاتا وہ یہ تھا کہ سلام کرنے والے کو گھور کر دیکھ لیا جاتا، گویا گھور کر دیکھنا ہی اس کے لئے باعث
سزا ہو گیا تھا۔

ہر حال دماغ ہر دو کے اس بری طرح سے متاثر ہو گئے تھے کہ الاماں داخلہ۔

تحصیلدار صاحب جو ہوٹلوں میں ٹہرنے کے عادی بن چکے تھے
اور سسرال کے مکان میں قیام ان کے اعزاز کے خلاف

قدرت کا پہلا طمانچہ

ہو گیا تھا۔ اب انہیں شدید گھٹیا ہو گئی۔ شدت کی ناقابل بیان برداشت تکلیف جوڑوں میں تھی۔ اب زندہ تحصیلدار صاحب مودہ کی طرح باقروں ہاتھ کاؤں سے شہزادہ پھر سیدھے سسرال کے ذریعہ ذکر لائے گئے تحصیلداری صاحب تو بچگی میں تھیں لہذا گاؤں ہی میں رہیں۔ بہر حال تحصیل کے ملازمین نے تحصیلدار صاحب کو ناٹ یا توپ کی طرح اٹھا کر انکے سسرال کے ایک حجرے میں لاکر تخت پر ڈال دیا یہ زندہ لاش اب بستر پر ماز تھی۔ رخ دیکار سنتے سنتے کان پھٹے جلتے تھے۔ وہ تحصیلدار صاحب جن کی آواز بوجہ غرور و متانت نکلتی نہ تھی صرت ہونٹوں کے ہلنے سے مطلب سمجھ کر تعیل کرنی پڑتی تھی۔ اب ماہی بے آب تڑپ رہے تھے اللہ بار بار یاد آ رہا تھا۔ بڑی عاجزی آچکی تھی۔ چونکہ اب سسرال سے خدمت بھی تو لینی تھی۔ اللہ اللہ کر کے تحصیلدار صاحب اچھے ہوئے۔ گویا کتے کی دم جو قدرت نے بیماری کی غلکی میں ڈال رکھی تھی وہ نلکی نکل گئی پھر دم ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہو گئی۔ پھر وہی ماز وہی غرور وہی انداز

تحصیلدار صاحب نے ایک دن
سید زادے کے بزمانہ تحصیلداری مظالم
 بر انداز غرور و ناز اپنے سالے
 دھوم جیلتی سے کہا کہ میرا لیوی دھول کرنے کا دیکھا ڈبہ لورے مالک محروسہ میں نہر ایک پر ہے لیوی
 کہتے ہیں کہ اس سے بعد نصل اناج کا ایک حصہ بحق ہو گورنمنٹ دھول کرنے کو۔ تحصیلدار صاحب
 نے فرمایا۔ میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ فصل اچھی ہوئی یا خراب۔ اگر کان نے مقررہ لیوی دینے سے
 نذا بھی کمی یا کتا ہی کی تو میں اس کے سر پر سنکر رکھوں۔ بڑا پتھر اس کے سر پر رکھ کبھی وہ پ میں کھڑا کر دیتا تھا
 تاکہ وہ کہیں سے بھی اس کی تکیل کرے۔ ایسے ہی موقعہ پر علامہ اقبال نے کہا ہے۔

جس حکیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روڑی ڈے اس آیت کے ہر خوشہ گندم کو جیلاو
 گر ناد غلاموں کا لہو سوز یقین سے ڈے گنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑاو
 تو قادر و عادل ہے مگر ترے جہاں میں ڈے ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

ایسے ظالم سید زادے کے قلع سے جو دنیوی اغراض کے لئے اپنی شرانت ایمانداری اور خودی کا خاتمہ کر ڈالے
 شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

اے ایمان سے محروم سید زادے !

تراپنی خوبی اگر نہ کھوتا ڈے زرداری برگساں نہ ہوتا
 ہیکل کا مدفن گھر سے خالی ڈے ہے اس کا ظلم سب خیالی
 حکم کیسے ہو زندگانی ڈے کس طرح خودی ہو لازماتی ؟

میں اصل کا خاص سونماتی : آیا میرے لاتی دمناتی
 توسید ہاشمی کی اولاد : میری کف خاک برہمن زاد
 ہے فلسفہ میرے آب بگل میں : پرشیدہ ہے ریشہ ہا دل میں
 شعلہ ہے ترے جنوں کلبے سوز : سن مجھ سے یہ نکتہ دل افروز
 دل در سخن محمدی بند : اے پر علی زبوعلی جند

بحول دیدہ راہ میں ندازی

تا ند قریشی بہ از بخاری

تحصیلدار صاحب روپیہ بر باد کرتے ظلم کی ناند چلاتے رہے جب کوئی کم از کم ایک ذاتی مکان بغرض رہائش لینے کہا گیا مکان دکھایا گیا بڑی حقارت سے اس مکان کو دیکھا اور فرمایا یہ تو سب لگانے کے قابل ہے اس غرور کا انجام تاریک پڑھیں گے کیا ہوتا ہے ؟

تحصیلدار صاحب کو ڈیوگنڈی کا عہد زین ختم ہو چکا ان کا تبادلہ تحصیل شمس آباد جو جیل آباد سے صرف نصف گفٹ کے فاصلہ پر ہے اور پاینگاہ کا علاقہ ہے ہو گیا۔ اب تحصیلدار کے ہوش ٹھکانے لگے تو اس جاتے رہے۔ یہاں کی آمدنی غیر واجبی یعنی رشرت شہر سے قریب ہونے کی وجہ سے بس واجبی تھی اور شاہ خرچی کے لئے قطع ناکافی تھی۔ اب تو تحصیلدار صاحب سسرال برابر آتے اور رہتے اور تحصیلدار صاحب کی زبان پر ہائے یہ کیا ہوا بار بار آتا گویا وہ علامہ اقبال کی زبان میں کہہ رہے تھے۔

”تھریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا“

بیمار سے تحصیلدار کو کیا پتہ تھا کہ آسمان آگے چل کر ان کو تحت الثری تک لیجا کر ٹپکنے والا ہے۔ تحصیلدار کو شمس آباد کی ادھر کی آمدنی کافی نہ ہوتی تو وہ ایک سونے کی چوٹی سی اینٹ جو انہیں بہ زمانہ تحصیلداری ڈیوگنڈی رشرت میں ملی تھی ہر ماہ تھوڑی سیچ کر اخراجات شاہانہ کی تکمیل کرتے آخر وہ بھی ختم ہو گئی۔

اب زمانہ تحصیلداری شمس آباد میں وہاں کے مدرسہ کے صدر مدرس امام خان تحصیلدار صاحب کے مصائب بن گئے۔

سترہ سو کے اکھ سو

سرکار، سرکار پکارتے ہوئے مختلف مشورے دیا کرتے۔ جب تحصیلدار نے تنگی اور ہاتھ کا تنگ ہونا ال سے بیان کیا تو فوراً صدر مدرس امام خان نے کشائیں خریدنے اور کرایہ پر چلا کر فراغت حاصل

کرنے کا تدبیر بتلا دیں۔ جب اس کا تذکرہ سسرال میں تحصیلدار صاحب نے کیا تو سب نے خصوصاً
 اس کے سالے (دوم)، جیلائی نے بہت منع کیا۔ مگر تحصیلدار کو جو دماغ میں آتی تھی کر گزرتے۔ گھر کا
 تمام زیور جہیز میں دیا ہوا جو بچا تھا صدر مدرس امام خان کے حوالے بغیر وزن کے کر دیا گیا یہ زمانہ تحصیلدار
 بعورت زیور کچھ خریدنا تھا۔ اب جو کچھ تھا وہ بھی حوالے امام خان ہو گیا۔ امام خان نے سترہ سو
 روپیہ لاکر دیئے۔ تین رکشہ توسط امام خان نئے خریدے گئے۔ آمدنی یہ ہوئی کہ کرایہ برابر
 کوٹ لاکر دیتا تھا چند ماہ میں رکشاؤں کی حالت ابتر ہو گئی۔ آخر تنگ آکر بیچنے پر آمادہ ہوئے
 تین رکشہ آٹھ سو میں فروخت ہوئے۔ پرانا محادرہ کا دوبار کر کے نقصان اٹھانے کے بارے میں
 یہ تھا کہ ”سولہ سو کے ہزار کئے“ مگر اب اس محادرہ کو بھی تحصیلدار نے بدل دیا کہ سترہ سو کے آٹھ
 سو کئے اور اب گھر میں ایک ماشہ سونا بھی نہ رہا۔ تحصیلدار کو اب چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں
 اور دن بدن تباہی کے غار میں گرتے جا رہے تھے۔ جیسے اعمال کئے تھے ویسے نتائج نکل رہے
 تھے اور نکلنے والے تھے۔

بقول حضرت اقبالؒ

شرارے وادیٰ ایس کے تو رہتا ہے لیکن ؛ نہیں ممکن کہ بھولے اس زمین سے تخم سیال
 کھی ذرا نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی ؛ جہاں ہر شے ہو محروم تقاضے خود افزا
 تحصیلدار صاحب کس طرح تحصیلدار سے گر کر پیشکار ہوئے۔ مفردی بیگم ام سید زادے
 کس طرح اور ذلیل و خوار ہوئے۔ آئندہ اپنے وقت پر آئے گا۔ اب ذرا ایک نظر حجرِ دُر
 صاحب اور ان کے خاندان پر ڈال لیتے ہیں۔



باب ششم

(۱) ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الہی (اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کا خاندان

منصف مجسٹریٹ صاحب کے دادا حبیب مدینہ منورہ سے معہ بیوی ہجرت کر کے ہندوستان

آئے تھے۔ وہ زبردست عالم تھے۔ اس زمانہ میں شہرِ سورت علماء دین کا مرکز بنا ہوا تھا اسلئے مدینہ سے وہ سیدھے شہرِ سورت میں رونق افروز ہوئے۔ مقصد تشریف آوری نمایاں نہ ہو سکا کہ آیا آنا بغرض تبلیغِ دین تھا جس کے لئے انہوں نے ترکِ وطن کیا تھا بقول علامہ

ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پر گواہی

یا اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں انکس کا دور دورہ تھا اور ہندوستان کی دولت کے قلعے مشہور تھے۔ اس نقطہ نظر سے شاید وہاں سے ہندوستان آئے ہوں جیسا کہ مشرقِ فرماتے ہیں۔

نہیں جنٹ فرائمن تو اٹھا اس گلستاں کہ اس محفل سے خوش تر ہے کسی چھوٹا ہٹلا

کوئی تبلیغی کارنامے تو نظر میں نہ آئے لیکن یہاں آنے کے بعد دو فرزند پیدا ہوئے اور عالمِ حبیب بہت جلد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بڑے فرزند کے نصیب نے بہت یادری کی۔ زبردست عالم ہوئے ایک بزرگ خاندان کی لڑکی سکینہ بیگم سے شادی کی فرزند احمد تولد ہوئے۔ بنام سیاست سورت سے شاہجہاں آباد آئے مرشدِ اعظم کے علم و فضل اور عطف کی بید شہرت ہو چکی تھی۔ اس وقت کے کمزور شہنشاہ مغلیہ ابو نصر معین الدین اکبر ثانی معہ اپنے محل کے ان کا مرید ہو گیا۔ خطابات اور اعزازات

ظلمتِ انداز نے مرشد کو عطا ہوئے۔ یہ وقت تھا مسلمان ساری دنیا اور ہندوستان میں ذوالِ پذیر ہو گیا تھا۔ سوچنے اور زندگی گزارنے کے انداز بدل گئے تھے۔ بجائے مرید مرشد سے فیضِ روحانی حاصل کرے اور مرشد مرید کو فیضِ روحانی عطا کرے۔ مرید خود مرشد کو دینی اعزازات اور دولت سے نواز رہا اور

مرشد مرید سے فیضِ دینی حاصل کر رہا تھا۔ سچ کا اظہار نہ ہر بن گیا تھا بقول حضرت اقبال۔

دل آگاہ جب خوابیدہ ہو جاتا ہے سبیل میں :؎ تو اگر کئے نہ رہا ہوتا ہے شکر خانی
اب مرشد اعظم کے پاس دولت دینی کی کمی نہ تھی اور ساتھ ہی ساتھ عالم دین اور داعی بے بدل
ہونے کے چرچے بھی عام ہوتے جا رہے تھے اور شاہانہ کرد فرآسمانوں کی بلندیاں چھونے لگا تھا۔
دہلی اور شمالی ہند میں مسلمانوں کی تباہی اور انگریزوں کا دور خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا۔ لہذا مرشد
اعظم اپنے فرزند واجد احمد کو جو بہ ذات خود بھی ایک جید عالم تھے شہر سورت میں بھجوا کر سروسا
سکے بہانے بمبر (۵۴) سال حیدر آباد آئے یہ آصفیہ خاندان کے جو تھے فرمانروا ناصر الد
کا دور حکومت اور چند دہائیوں کی پرانے منسری کا زمانہ تھا، حیدر آباد آنے کے بعد تقدیر نے یاد رکھ
کی۔ عالی شان عمارت بغرض رہائش و دغظ خریدی۔ حکومت آصفیہ ہی سے لومیہ اور پاکستا
سے بھی بے انتہا دولت حاصل کی۔ پھر اپنے فرزند احمد کو سورت سے بادشاہ وقت کی خواہش
پر عدالت کے ایک بڑے خصوصی عہدہ جلیلہ پر بلا لیا۔ احمد اپنے دو بیویوں اور دو فرزندوں
کے ساتھ حیدر آباد آکر ناظم اعلیٰ کا جائزہ لیکر امور عدلیہ انجام دینے لگے۔

مرشد اعظم کے فرزند کو بلا کر عدالت کا عہدہ جلیلہ دینے کے دو درجہ تھے ایک تو میرہر حیدر آباد
میں تعین یافتہ اور قابل حضرات کی کمی کی وجہ سے باہر ہی کے لوگ اگر بڑے عہدوں پر فائز ہوتے تھے
دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ یہاں رعایا عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کو ضروری نہ سمجھتی تھی اور نہ عدالت
کی وقعت ان کے نظروں میں تھی۔ قرضداروں کے ساتھ قرضہ دینے والے پٹھانوں اور روہیلوں کا دور
اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ قرضداروں اور ان کی بیویوں کو از خود گرفتار کر کے قرضہ ادا ہونے تک
اپنے گھر میں قید رکھتے تھے۔ چونکہ مرشد اعظم شہر میں با اثر ہو چکے تھے اسلئے ان کے فرزند
کو اس عہدہ جلیلہ پر فائز کیا گیا کہ ان کے فیصلے عوام قبول کریں دیکھیے : بورڈیشن رپورٹ ۱۹۲۲ء
و تاریخ (حاکم التاریخ و تاریخ آصفیہ عدالت)

(۲) باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری (۱۲)

(۱۲) راقب

مرشد اعظم کے فرزند احمد جو ناظم اعلیٰ تھے منصف مجسٹریٹ صاحب کے حقیقی دادا ہیں۔
مرشد اعظم جب حیدر آباد تشریف لائے کوئی بڑی آپ کے ساتھ نہ تھی چونکہ ناظم اعلیٰ کی والدہ سیکھہ بیگم
کا شہر سورت ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ حیدر آباد آنے کے بعد جبکہ آپ کی عمر ۵۵ سال ہو چکی تھی
معتد زکاح کئے۔ ہر وقت چار بیویوں کا کوڑھل رکھتا تھا ان حیدر آبادی بیویوں سے (۹) نو

اولادیں جو میں جن میں سات بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ حیدر آباد کے ماحول کی بیویوں کے بچے حیدر آباد کے ماحول میں تربیت پا کر تباہ ہو گئے اور مرشد اعظم کا نام ڈبو ڈلا۔ یوں بھی مرشد اعظم (۹۰) سال تک اولاد کو جنم دینے میں بہ زور غلہ اندوز دپیہ مصروف رہے اور نگرانی تعلیم و تربیت خاطر خواہ نہ کر سکے۔ مرشد اعظم نے (۱۰۸) سال کی عمر پائی۔ بڑے لائق فرزند احمد ناظم اعلیٰ باپ کے سلسلے انتقال کر گئے ان کا اولاد از روئے شریعت ورثہ سے محروم ہو گئی۔ مرشد اعظم کے دونوں فرزندوں نے یہاں کے زبانی خاندانوں کی ہر برائی کو اپنایا حتیٰ کہ سینہ ہی شراب نشہ عیاشی کو شیوہ زندگی بنالیا اور یہاں تک تباہ ہوئے کہ الامان الحفظ ————— قدرت نے ان دونوں کو اولاد فریضہ سے تک محروم کر دیا۔ اب مرشد اعظم کا نام ان کے فرزند اکبر کی اولاد ہی سے باقی رہا۔ مگر فرزند اکبر یعنی ناظم اعلیٰ کی بعض اولادیں بھی حیدر آباد کے ماحول سے ایسی متاثر ہوئیں کہ نشہ میں مبتلا ہو گئیں، ہندو عورتوں سے ناجائز تعلقات پیدا کئے اور جموں النسل اولاد جو پوڈر کوئی عالم نشہ میں حسین ساگر کے تالاب میں ڈوب مرا کوئی ڈیوٹر والے میں قتل بلکہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ صرف نام لمبے لمبے ہندو اکبر کفنا سیکھ لیا۔ جب مرشد اعظم کے والد ہندوستان آئے تو نام صرف ابراہیم بن یوسف تھا ان کی اولادوں نے تو اس قدر لمبے نام رکھ لئے کہ لکھنے مشکل ایک سطر یا اس سے زائد درکار ہو۔ جب تک نام چھوٹے تھے کار نامے بڑے تھے جب نام بڑے ہو گئے سہارا مے صفر ہو گئے۔ عیاشی کی دہائیوں طویل دلمی ہو گئیں۔

دین کے نام پر دنیوی دولت کا حصول | ہندوستان کے عظیم واعظ اور مرشد اعظم کے انتقال اور دین

کے بعد جب ان کا کوٹھم کھولایا تو بیس لاکھ نقد اور شہنشاہ مغلیہ الو نصر معین الدین اکبر ثانی کے عطا کردہ ہجرات اور بیش بہا اشیاء و ملبوسات کی مالیت کروڑوں سے باتیں کر رہی تھیں جو آج اربوں کی مالیت تک ہونگے۔ علاوہ ازیں ایک عالی شان مکان جس کی مالیت لاکھوں کی تھی اور شیشہ آلات تین لاکھ سے زائد علاوہ دیگر سامان چھوڑے۔ گویا دین کا نام لیکر دنیوی کائی ہوئی یہ دولت تھی۔ درنا دولت کے لئے کتوں کی طرح لڑنے لگے اور عدالت میں علماء خاندان کے سپوت مقدمات پیش کر کے اپنی اوقات خراب کرنے لگے۔ یہ ہیں زوال پذیر قوم کے علماء کا حال جس پر جس قدر خون کے آنسو بہائے جائیں کم ہے۔ عوام کا کیا حال ہو گا جبکہ تحت پر وعظ اور گھر میں شریعت مشکل ستیا ناس اور تباہ حال ————— اسلئے حکیم الامت علماء پریوں آنسو خون کے بہاتے ہیں۔

باقی تہ رہی تیری وہ آئینہ منیری اے کشتہ سلطانی و ملانی و پیری
گر صاحب ہنگامہ نہ ہو نمبر و محراب دین بندہ مومن کیلئے موت ہے یا خواب
ملا کی نظر نور فراست سے ہے خالی بے سوز میخانہ صوفی کی نہ ناب

(۳) نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے (اقبال)

مسلمانوں کا زوال آج کا نہیں بہت پرانا ہے۔ گویا مرض کہنہ۔ اس زمانہ یا کوئی بُرائی ایسی نہ تھی جو حیدر آباد اور ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ تھی۔ حیدر آباد میں عیاشی انتہا پر بیوی کے علاوہ خواص یعنی بلانکاح کی عورتیں شہانہ لازمات بن گئے تھے ذرا سی خوشحالی آ خواص رکھتی۔ خوشحالی زیادہ ہو گئی خواصوں کی فوج تیار ہو گئی۔ علاوہ ازیں طوائف کے کور راتوں کو جگمگاتے رہتے۔ بڑے انوسوں کی بات تو یہ تھی کہ صرف عورتیں ہی اس زمانہ میں مر کے لئے دل بہلانے کافی نہ تھیں بلکہ ایسے بھی عاشق مزاج تھے جو ہجڑوں سے عاشقی فرماتے شوق فرماتے تھے۔ یہ ہجڑے (نامرد خنث) مکمل زمانی لباس اور سنگار میں رہتے۔ جہاں گھر میں بچہ تولد ہوتا دائی ماں کے توسط سے معلومات انکو لمحات میں اور وہ دروازے کے سدا تالیاں بجا کر پکارتے "کہاں ہوا بچی ماں بچہ" رسم چھٹی چھلہ میں یا کسی تاریخ کا تعین کر۔ انہیں بلوایا جاتا۔ ان کا گانا اور ناچ بڑے ذوق و شوق اور انہماک سے سنتے اور دیکھتے۔ روئے کے دارے نیارے ہوتے۔

اوسط گھرانوں تک کا یہ حال تھا کہ صاحب نادے پندرہ سولہ سال کے ہوئے گھر کی ذخیر باندی رات سوتے وقت پاؤں دبانے ان کے حجرے میں پہنچادی جاتی۔ جواد لاد اس سے وہ صحیح النسب نہیں۔ بلکہ مجہول النسب۔ شادی و جلوہ کی بیوی کی اولاد صاحب عزت قدر دالی و جائیداد کی وارث۔ خواص اور باندی کی اولاد خود پیری کی اولاد کو کہتی "آپ۔ موتی ہیں اور ہم جھوٹے موتی۔ بازاروں میں لونڈیاں جانوروں کی طرح فروخت ہوتے۔ ایسے لونڈیوں سے نکاح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ طریقہ سالار جنگ اول کے پرائم فیسری کے دور ذریعہ احکام مصنوع کیا گیا اور ایسی خرید و فروخت کو خلاف شرع بتلایا گیا دیکھئے جو ڈیشن رپورٹ ۱۲۹۴ء اور تاریخ حاکم التواریخ و تاریخ عدالت (معنی) علامہ اقبال ایسے عیشیں ایسی مک

اور تجارت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یہ عیشیٰ فراداں یہ حکومت یہ تجارت۔ دُ دل سینہ بے نور ہیں محروم تسلیٰ!

حیدرآباد میں تعلیم کا رواج ہی نہ تھا بہ عہد نظام سابع عثمان علی خاں تعلیم نے اہمیت حاصل کی بھی تو برائے نام پڑھے لکھے شریف گھرانوں کا قبل ازیں یہہ حال تھا کہ نوٹہ میاں قبل شادی دہن کے گھر دیکھنے بلوائے گئے۔ کوئی ایک خط پڑھنے دے دیا اگر نوٹہ نے پڑھ لیا تو تعلیم یافتہ درنہ جاہل۔ سیندھی تو اتنی عام تھی کہ بیٹی دینے سے قبل داماد کو بلایا جاتا اور دیکھا جاتا کہ آیا وہ پنی کر بکواس یا مار پیٹ پستراتا ہے یا خاموش رہتا ہے۔ اگر خاموش رہا تو صاحب طرف۔ داماد بننے کے قابل۔ عورتیں تک سیندھی سے شوق فرماتی تھیں۔ پھر مسلمانوں کا محبوب مشعل مرغ بازی، شیر بازی، ببل بازی اور مبتلائے حوّا رہتا تھا۔ مسلمان ستر لزل کے غار میں گرتا جاتا تھا۔ نیچے اور نیچے۔

ہندوستان آکر اپنی اسلامی تہذیب بھوڑ کر مسلمان گندی نئی تہذیب کو اپناتا تھا جس کے بارے میں بانگ درا میں حکیم الامت فرماتے ہیں۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں دُ نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

(۴) قیامت ہے کہ فطرت سو گئی اہل گلستاں کی (اقبال)

ایک جانب شہر کا ماحول اس قدر گندہ تھا۔ مسلمان نا قابل بیان

منصف مجسٹریٹ صاحب کے والد کی شادی

حد تک کیا بلحاظ کردار کیا بلحاظ اسراف کیا بلحاظ رسم و رواج گندگی میں پھنس گئے تھے۔ علما ان کو سدھارنے کے بجائے خود ان کے رسم و رواج اور عجیب گندگی میں پھنسے ہوئے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کے والد فیض صاحب جب حیدرآباد اپنے والد کے ساتھ شہر سورت سے آئے سات سال کے تھے۔ حیدرآباد کی گندہ فضا میں عالم خاندان کا ایک سورت جوتی کے دروازہ میں داخل ہی ہوا تھا کہ ایک ”لوا“ پاؤں دبلنے کمرے میں روانہ کر دی گئی۔ جس سے ایک فرزند خیر الدین پھر امیر الدین پیدا ہوئے جو خواص زارے اور غیر صحیح النسب کے ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔

اب فیض صاحب کی باضا بطہ شادی شوان ۱۲۸۲ھ

باضا بطہ شادی لاتی شہرت میں ایک اعلیٰ مشائخ خاندان کی لڑکی سے بعض

مہر مہر پچاس ہزار اور (۱۲۵) دینار بڑے دھوم دھام سے رچائی گئی جبکہ فیض صاحب سرشد اعظم کے اثرات کی بنا پر ماہانہ ۱۲۵ روپے میوہ خوری کے حکومت سے بطور منصف پاتے تھے۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ سرشد اعظم نے اپنے پوتے کی شادی میں پچاس ہزار کا خرچہ فرمایا اور مہر ادا رکھا گیا۔ ایسے امور عام لوگوں سے ہٹ کر جب علماء انجام دینے لگیں تو قوم کو کون سمجھالے؟ جب قوم کے علماء حکماء شعراء قوم کو بیدار نہ کر سکیں تو قوم کی خاک ترقی کی راہ پر چل سکتی ہے ان کا مقرر تو تشریف ہی ہو چکا۔ علامہ بڑے دکھ سے فرماتے ہیں۔

شاعر بھی ہیں پیدا علماء بھی حکما بھی ؛ خالی نہیں قوم کی غلامی کا زمانہ !
 مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مرگیک ؛ ہر ایک ہے گو شرع معانی میں یگانہ !
 بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو ؛ باقی نہ رہے شیر کی شیریں کا فسانہ !
 کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پر رضامند ؛ تاویل مسائل کو بتاتے ہیں بہانہ !
 مکمل قوم بشمل علماء کو دیکھ کر حکیم الامت یوں خون کے آسہ بہاتے ہیں :-
 قیامت ہے کہ فطرت کوئی اہل غلستان کی ؛ نہ ہے بیدار پیری نہ ہمت خواہ برنائی

(۵) آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے (اقبال)

ولادت اور دارغ یسیری | دھوم دھام کی شادی کی یادگار بن کر منصف مجرٹ صاحب جہادی الاول ۱۲۸۶ھ (۱۸۷۰ء) میں

عالم و جردین آئے۔ دایال نے بادشاہ میاں پکارا، نئیال نے جانی میاں۔ دونوں جانب خوشیاں تھیں۔ رسومات تھے۔ دل سب کے باغ باغ تھے۔ نئیال اور دایال کی زبان پر یہی نعرہ تھا۔

جستجو جس لگی کی ترپائی تھی اے بلبل مجھے ؛ خوبی قسمت سے آخر مل گیا وہ لگی مجھے (اقبال)
 لیکن ابھی یہ سب کے آنکھوں کی ٹھنڈک ابھی نومادہ کی تھی کہ یکایک یہ مرض ہیضہ ملا اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اولاً ثانی بعد انتقال معطلی حال نے نئیال میں بڑے چاؤ سے پردریش کی۔ ہر جمعہ دایال کو بگبی میں بٹھا کر ملنے روانہ کیا جاتا پڑدا اور شد اعظم میری پچاس ہزار کی کمال کہہ کر سینے سے لگا لیتے۔ اٹھارہ سال تک نئیال میں پردریش پاکر اپنے والد کے گھر آگئے اور باپ اور علایا مال کی خدمت میں مصروف نظر آنے لگے وکالت کا امتحان پاس کر لیا تھا۔

اب وکالت سے زندگی کی ابتداء کی۔

(۶) جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا

(دعائے)

جب عورت مرد پر حاوی ہو جائے

فیض صاحب نے بیوی کے انتقال کے
دو سال کے بعد ایک غریب خاندان کی

سیدانی سے عقد کر لیا۔ مرشد اعظم کے اثرات سے اب فیض صاحب منصبی کی خدمت پر فائز
ہو چکے تھے۔ مرشد دل اور واعظوں کے اثرات عقبی حاصل کرنے سے زائد دینا حاصل کرنے کیلئے
بڑے موثر ہوتے ہیں۔ فیض صاحب بہت نرم طبیعت کے تھے بیوی سیدانی بہت ان پر حاوی ہو گئی
تھی۔ بارہ اولادیں ان سے ہوئیں۔ تعلیم و تربیت کا ترکہ ہی نہ تھا۔ فیض صاحب دس
سال بمشکل ملازمت کر سکے۔ سیدانی بیوی نے دلچاظ سے ان کے لئے ملازمت کرنا مشکل کر دیا۔ پہلا قریہ
کے ساہوکاروں کو گھر پر بلوا کر شرہ پر سے پرائسری نوٹ کی تکمیل کروا کر قرضہ خود گھر چلانے، تنخواہ اور
منصب کافی نہ ہونے کے بہانے حاصل کر لیتی۔ ملازمت کا مقام — عدم ادائی قرضہ کی صورت میں
ساہوکاروں کے دعویٰ دائر کرنے کا اندیشہ — محکمہ اعلیٰ کو اطلاع ملنے پر نوکری کے لئے شدید خطرہ۔
بیوی نارے فرزند بادشاہ میاں جواب وکالت کر رہے تھے اطلاع پا کر ساہوکار کو قرضہ ادا کر کے
پرائسری نوٹ حاصل اور اسکو تلمذ کر کے والد کو بطور نذر پیش کرتے۔ پھر دوسرا پرائسری نوٹ
کا سیدانی تکمیل کرواتی۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور بادشاہ میاں قرضہ ادا کر کے پرائسری نوٹ ساہوکار
سے حاصل اور تلمذ کر کے باپ کو بطور نذر پیش کرتے رہے۔

(۷) بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدود سے

(دعا سے اقبال)

اب سیدانی محترمہ اپنے حدود سے بہت بڑھ گئیں اور خطرناک حد میں داخل ہو کر
نزہتین سے درپردہ گفتگو کرتیں جو زیادہ رقم (درشوت) دینے راضی ہوتا اس کے حق میں فیصلہ
خیر الدین خواص زارے سے لکھوا کر شرہ پر کی دستخط لے لیتیں۔ بات کب تک چھپ سکتی تھی۔
تحقیقات کی نوبت آگئی۔ وجہ اثرات فیض صاحب نے خرابی صحت کا اندر کر کے دس سال
ہی ابھی ملازمت کو گذرے تھے کہ ذلیفہ معذری کی درخواست پیش کر دی۔ بادشاہ میاں
نے بیسوی کر کے ذلیفہ جاری کر دیا۔ جو درخواست علما اور داعط حکومت کو دیتے تھے نہیں

”دعا نامہ“ کہا جاتا تھا۔ فیض صاحب نے اپنی جائیداد منصفی میاں کو دینے دعا نامہ دینا چاہا۔ سیدانی صاحبہ نے سمجھایا کہ اور نئیال طاقتور ہے قابو میں نہ رہے گا۔ خیر الدین خواص زار لہذا دعا نامہ خیر الدین کے لئے پیش ہوا اور خیر الدین کو خدمت نصف تنخواہ خیر الدین سے منگواتیں۔ خیر الدین کی عمر نے وہ

آخر دعا
صاحب بادشاہ میاں اب منصف مجسٹریٹ

دھول ہوئے تو سیدانی صاحبہ نے بادشاہ میاں سے کاغذ اس کے لئے اقرار نامہ لکھو لیا جب ملازمت منصفی پر جانے دیا۔ یہاں پڑھیں گے کہ سیدانی کی اولاد کی تربیت ایسی تھی کہ درویشوں کا ہم سوال خود بخود سامنے آتا ہے کہ فیض صاحب منصف تھے عالم۔ مرشدی بھی کرتے تھے بیوی کی غلامی کیوں کرنے لگے تھے۔ حکیم فیض فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا، جس میں رکھا، تفادت نہ دیکھا زن دشو میں میں نے، وہ خلوت نشین ابھی تک سچ پردے میں اولاد آدم، کسی کی خردی

(۸) خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ

بعد وظیفہ بغرض حصول زور
مفت کی بسم اللہ خوانی
سالار جنگ اول مرشد
کی وجہ سے فیض صاحب
سیدانی صاحبہ کا دماغ

خود فریبی کے حدود سے نکل کر ترکیبیں سمجھتے ہیں اپنا ایک خاص وظیفہ ایک نئی اور ترکیب نکالی۔ گھر سے یا باہر سے کسی چارہ کرایہ کی شیر دانی اور دستار منگوا کر انہیں پہنا کے اپنے شوہر کے ساتھ روانہ کیا جاتا۔ بسم اللہ خوانی، سالار جنگ اول سنہری گھر پہنچتے ہی کرایہ کے کپڑے واپس اور سنہری سر پہنچ فروخت کر د

ایسا عمل کر کے روپیہ حاصل کیا جاتا۔ ایسی ہوس کے بارے میں حضرت اقبال فرماتے ہیں۔
اے ہوس خون رو کو ہے یہ زندگی بے اعتبار یہ شرارے کا تبسم یہ عس آتش سوار

سیدنا سیدنا اور دختر دوم کا انجام | پہلی دختر بدریگم کا حال تفصیلی ہم آگے
بعد بیان کریں گے پہلے دختر دوم حشر النساء

بیگم کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ کس طرح سیدنا صاحبہ نے اس دختر کی زندگی برباد کی۔ ایک پیام
وزیر الدین کیس کا آیا۔ بادشاہ میاں نے دریافت کے بعد اس شخص کا قابل اعتبار نہ ہونا اور خانہ بدوش
اور لادارت ہونا بتلایا اور کیا کہ یہ جاسوس بھی پرتکلف لباس صرف دھوکہ ہے۔ لیکن سیدنا
صاحبہ نے بادشاہ میاں کو حلقائی بھائی جان کر ان کا بیٹا برباد قرار دیا اور بیٹی دیدی۔ آخروہی ہوا،
داماد بلا تکلف تاریخ نکاح سے سسرال میں قیام پذیر ہو گئے۔ وظیفہ کے بعد اب اخراجات بیٹی
اور داماد کے برداشت کرنے پڑے شادی سستی ہوئی جو سمجھا تھا وہ بڑی جھنگی پڑ گئی۔ پھر انتہا یہ
ہوئی کہ کھانا اور انتظامات رہائش ناقابل آرام بتلا کر گالی گلوچ اور مار پیٹ شروع ہوئی۔ سیدنا
صاحبہ اور بے حیا وزیر الدین کیس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار | انسان کو حیران بنانے کا طریقہ

پھر وہی بادشاہ میاں بلوائے گئے۔ بادشاہ میاں نے بعد کر شش اس حیران سے بہن
کو طلاق دلوائی پھر اس بد نصیب دختر دوم کا نکاح فیض صاحب کے مرشد کے بیٹے کرامت اللہ
سے ہوا۔ مرشد کے بیٹے عیاش اور شرابی نکلے۔ بہر حال دو بچے نانا میاں اور سید میاں
تولد ہوئے اور آخر کرامت اللہ انتقال کر گئے۔ مصائب اٹھا اٹھا کر بد نصیب دختر دوم بھی
اللہ کو پیاری ہو گئی۔ نانا میاں دق سے انتقال کر گئے۔ سید میاں بادشاہ میاں کا سر پرستی
میں آئے اور پھر بادشاہ میاں کے داماد سوم بنے۔ وہ بے حیائی اور خودی سے محروم زندگی کے
حامل تھے۔ عجیب بے حیائی کی زندگی گزار کر ایمان کا سودا کر کے بمیانک اور خونخوار بیمار اور
موت کا شکار ہوئے۔

(۹) نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد (علامہ اقبال)

اب تک آپ عورتوں کے کارنامے | زوال پذیر مسلمان قوم میں عورت کا مقام
بڑھتے آ رہے ہیں اور اندازہ ہو گیا

ہو گا کہ اسلام نے عورت کو اسکا صحیح مقام دیا۔ کسا دعویٰ کرنے والی مسلمان قوم جب سے زوال پذیر ہوئی اس نے عورت کو کبھی اسی کا صحیح مقام نہیں دیا اور نہ زوال پذیر قوم کی عورت میں وہ اعلیٰ جذبات و خصوصیات باقی رہیں جو ایک زندہ قوم کی عورت میں درکار ہوتے ہیں۔ یا تو عورت ہاتھ کی طوطی بنی رہی یا پاؤں کی جوتی۔ زوال پذیر قوم کے مرد نے کبھی عورت کو بیوی کا روپ دیا تو کہیں اسے خواص، طوائف اور رندہ کی روپ میں دیکھا۔ کہیں عورت قوم کی ہوس کے لئے ایک کھلونا بنی رہی کہیں بے کسی دے لے بیسی کا روپ لئے نظر آتی رہی تو کہیں ظالمانہ انداز اختیار کئے مرد کو پریشان کرتے دکھائی دیتی رہی ہے۔ بہر حال زوال پذیر قوم کی عورت بھی علم میں غوطہ زن ہے تو زوال پذیر قوم کا مرد بھی غلو کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہے۔ زوال پذیر قوم کا مرد کمانے اور سرمایہ دار عورت کے سامنے بھی حضور کی کر کے اس کی دلت اور کماں کھانے سے نہیں شرماتا اور جہیز کے نام سے مطاباً ہتھکڑی سے بھی شرم نہیں کرتا۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ زوال پذیر قوم کے مرد عورت اپنے صحیح حدود اور دائرہ میں گھومتے نظر آتے ہوں جیسا کہ اب تک تاریک زمانے نے بڑھا اور آئندہ بڑھیں گے۔

علامہ اقبال اس سلسلہ میں بڑے حسین انداز سے بکھلتے ہیں :-

اک زندہ حقیقت مرے سینہ میں ہے مستور ؛ کیا سمجھ گیا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پودہ، نہ تعلیم، نہ نئی ہو کہ پرانی ؛ نسوانیت زن کا نگہ بان ہے فقط مرد
جس قوم نے اسی زندہ حقیقت کو نہ پایا ؛ اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

حیرت انگیز عبرتناک انوسناک گناہ ہائے کبیرہ جبکا اثر نسلا در نسلا

(۱۰) پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی (علامہ اقبال)

مذمت کا مذاق نام رسولؐ کے
پر وہ میں دھوکہ و فریب

یہ کوئی جاہل خاندان کا ذکر نہیں ایک عالم خانہ
کا دامن ہے اس وقت کا جبکہ فیض صاحب
سفینی نارائن پیٹھ پر برسرِ خدمت تھے اور بادشاہ

میاں بحیثیت دکن سپہ سالار انعام دے رہے تھے فیض صاحب اپنے مستقر پر بھی خدمت
منصفی کے ساتھ مرشدی یعنی مرید کرنے اور بیعت لینے کے کام بھی انجام دیتے تھے جو خزان
معلکت تھا کہ ہر مطلب پرست مرید ہو کر اپنا مطلب نکال سکتا تھا جس سے انصاف میں دخل

ہو سکتا تھا۔ علامہ اقبال ایسے ہی موقع پر کہتے ہیں۔

کچھ قدر اپنی ترسے نہ جانی یہ بے سواد یہ کم نگاہی !
دنیا سے روں کی کب تک غلامی یا راہیسی کر یا پادشاہی !

غریب گھر سے آئی سیدانی صاحبہ ایک بڑے گھر میں آ کر شاہ خرچی پر ایسی اتر آئی تھیں کہ جائز اور ناجائز آمدنی بھی کافی نہ ہو رہی تھی۔ بچے بھی بارہ ہر چھ تھے۔ کفایت بخاری اور لڑکیوں کے لئے روپیہ جمع کرنے اور جمینز جوڑنے کا نام نہ تھا۔ بڑی صاحبزادی بدرو بیگم کا چڑھتا شباب اور ابھرتی جوانی اب ماں باپ کو شادی کے لئے دعوت فکرو دے رہی تھی۔ فیض صاحب نعتیہ شاعر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قوماً لکھتے تھے۔ اب سیدانی صاحبہ نے شہر کر مشرہ دیا کہ اگر آپ بیٹی کی طرف سے قصائد لکھ کر اس کے نام سے دیوان شائع کرادیں تو اس کو عاشق رسول لائق و قابل جان کر بلا روپیہ کوئی شادی کر لے سکتے ہیں۔ یہ غیر جمیع مشرہ بھی فیض صاحب نے مان لیا۔ بیٹی کا تخلص ”خفی“ رکھ کر ایک دیوان بیٹی کے نام سے شائع کروایا مگر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر بھی دھوکہ دینے سے اس عالم اور برسرِ شد نے پرہیز و خوف نہیں کیا۔

بہر حال یہ دیوان بادشاہ میاں کو جو دکالت کر رہے تھے ناراض پیٹھ بولا کہ : یا گیا کد شہر جا کر مٹاؤ کو بلو کر حوالے کر داور کہو کہ کثرت سے یہ دیوان فروخت ہوتے ہیں جسکی آمدنی کافی آتی ہے لڑکی قابل لائق اور عاشق رسول ہے۔ اس دیوان کی بنا پر ایک نسبت حفیظ الدین منصف دار ماہانہ ایک سو پچیس (۱۲۵) کی آگئی، پسند بھی کر لی گئی، تاریخ نہیں مقرر کر لی باقی تھی اس دسر کا انجام بقول علامہ اقبال ملاحظہ فرمائیے۔

دیکھئے اس بھر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا

فیض صاحب کی ایک مریدنی جو گھر میں سیدانی صاحبہ کے پیر دبانے اور خدمت میں رہا کرتی تھی اس نے سوچا اتنی قابل بچی ہے۔ دیوان کی آمدنی تو مستقل ہوگی پھر منصف صاحب سے دولت بھی خوب ملے گی۔ رشتہ ملنگی کی ہمت نہ تھی۔ کام یہ کیا کہ اولاً اپنے بیٹے حافظ کو منصف صاحب کا مرید بنا کے ان کے ہاتھ پر بیعت کروائی۔ پھر اس عورت نے بدرو بیگم کو ایسا شیشہ میں اتارا کہ بدرو بیگم اسی عورت کے ساتھ فرار ہو گئی۔ فیض صاحب کی مریدانی نے مگر تمام بلوکر فیض صاحب کے مرید حافظ سے بدرو بیگم کا نکاح کروادیا اور سمجھا کہ حالات سب ایک دن ٹھیک

ہو جائیں گے۔ شروع سے آخر تک چاہے وہ فیض صاحب ہوں کہ سیدانی صاحبہ یا ان کی مریدی ہو کہ
حافظ صاحب بدر بیگم سب کے خیالات نامہوار اور ہر ایک دھوکہ پر مائل۔ اسلئے حضرت اقبال
خون کے آنسو بہاتے ہوئے مسلمان قوم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کڑی اس زمانے کی ہوا رکتی ہے ہر چیز کو خام!

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا نجور کتبہ بیچ کھائے مسلمان کا جائے احرام!

مریدی صاحبہ اور حافظ صاحبہ پُر امید تھے کہ ایک دن آئے گا جب کہ فیض صاحبہ اور سیدانی
ماں کو معلوم ہو جائے گا کہ حافظ انکے داماد بن گئے ہیں تو وہ بیٹی داماد کو جو مرید بھی ہے اپنے سینہ
سے لگا لینگے وہ بیچارے سمجھ بھی نہ سکے کہ

کہاں اقبال تو نے بنایا آشتیاں اپنا تو اس باغ میں بلبل کو ہے سامان سوائی

(۱۱) خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر (علامہ اقبال)

فیض صاحبہ باستقرار پر بحیثیت منصف کوئی دبدبہ تھا نہ بحیثیت مرشد کوئی لحاظ۔ بدر بیگم
گھر سے غائب ہے۔ کسی کو ڈر ہے نہ خوف۔ ماں باپ پریشان ہیں۔ آخر سیدانی صاحبہ نے اپنے
ایک بیٹے ابراہیم علی کو بادشاہ میاں کو بلوالانے شہر بھیجا۔ جوں ہی خبر مشہور ہوئی کہ بادشاہ میاں
آنے والے ہیں بدر بیگم فوری گھر میں آکر بیٹھ گئی۔ بدر بیگم کا حافظ سے نکاح ہونا کسی پر ظاہر
نہ ہوا تھا۔ یہی سمجھا گیا کہ بھاگ نئی تھی لگتی ہے۔ پکارا کیا جائے تو بدنامی کا موجب ہے۔ بادشاہ
میاں آئے۔ حفیظ الدین سے شادی کی تاریخ مقرر کرنے غور کیا جانے لگا۔ بادشاہ میاں بہن کو
گھر میں دیکھ کر تاریخ مقرر کرنے کی اطلاع ذریعہ خط دی جائے، کچھ ہوئے شہر واپس ہو گئے۔
حفیظ الدین سے شادی کی تاریخ مقرر کرنے پر جب غور کیا جانے لگا۔ حافظ صاحب پریشان
ہوئے اور فوری شہر آکر دارالقضا میں طلب زدہ کا مقدمہ دائر کیا کہ نانائیں پیٹھ میں بدر بیگم
سے میری شادی ہونے کے بعد دوسرے سے شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ میری زوجہ مجھے دلائی جائے
نقل عرضی دعویٰ اور نقل سیاہمہ نارائن پیٹھ و مول ہوا۔ اب فیض صاحبہ اور سیدانی صاحبہ ہمید
پریشان ہوئے۔ فوری بادشاہ میاں کو بلوایا گیا، عقل مندی کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دہن کو ایک تعزیر
کر کے حملے دھاک دیا جاتا جو کہ شرعی کوئی سختی کش ناجائز نکاح کو قرار دینے کی نہ تھی۔ نکاح بافلا
ہوا تھا ددزل عاقل و بالغ تھے نکاح میں کوئی قسم نہ تھا مگر عالم خاندان کو نفس امارہ نے ابھارا اور۔

حلال حرام میں تبدیل نکاح پر خواست زنا بھاری

بادشاہ میاں دیکل اور عالم خانان کے سپردت نے شہر کا ایک حسین جوان اور خوب و طوائف ”بورجیاں“ جو کہ کوال شہر اکبر جنگ کی بھی معشوقہ تھی کو اپنی چال میں پھنسا یا اور اس سے درخواست دلائی کہ فلاں حافظ فلاں شب میرے پاس رہا، میرے سوتے وقت میرا تمام زیور لیکر فرار ہو گیا۔ میرا زیور دلوایا جا۔ ع۔ پس پھر کیا تھا، کوال شہر نے تمام پولیس کے ناگوں کو حکم دے دیا کہ بھلت ممکنہ حافظ کو گرفتار کر کے زیور برآمد کر کے بورجیاں کو دلو کر مجھے اطلاع دی جائے۔ حافظ کی گرفتاری پولیس کیلئے علمدہ در دسر بنی ہوئی تھی۔ سخت مزاج کوال سے تمام شہر کے نلکے پریشان تھے۔ بادشاہ میاں برابر حافظ کا تعاقب کر رہے تھے ایک دات تین بجے کا وقت تھا کہ چار مینار کے ناکہ پر بادشاہ میاں نے حافظ کو یعنی اپنے ہنوائی کو گرفتار کر دیا۔ پھر اتنی رات کو طوائف بورجیاں کے گھر گئے جو پوری طور پر ان کے قبضہ و تصرف میں تھیں اور اسکو اسی وقت سواری میں بیٹھا کر ناکہ کے قریب لا کر پردہ میں سے حافظ کو بتا کر کہا کہ دیکھو یہی حافظ ہے، پولیس سے کہو کہ یہی تمہارا چور ہے۔ بادشاہ میاں پہلے سواری سے اتر گئے بورجیاں طوائف سواری سے اتری اور پولیس کے انسپکٹر کشان دی کی کر ہاں یہی وہ ہے جس نے میرا زیور لیکر راہ فرار اختیار کی تھی۔ پولیس نے حافظ صاحب کو شاہی کی سلامی دینی شروع کیں۔ بادشاہ میاں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اتنی رات کو وہ طوائف بورجیاں کو لیکر اکبر جنگ کوال کے گھر لیجا کر گھر میں بھجوا دیا۔ اکبر جنگ کوال معشوقہ کے آنے کی خبر سنکر نیند سے فوری اٹھے اور احکام صادر کئے کہ ملزم سے سختی کے ساتھ برتاؤ کر کے مال برآمد کر لیا جائے پھر بادشاہ میاں نے بورجیاں کو گھر بیجا کر ناکہ آئے اس وقت تک حافظ صاحب کی ہیئت بدل چکی تھی۔ خون میں نہاٹے آہ۔ آہ۔ زبان سے نکل رہی تھی اور زیور لینے اور حتیٰ کہ طوائف کو اور اس کے گھر کو تک جاننے سے انکار کر رہے تھے۔ ہر انکار پر لائٹیاں پولیس کی برس رہی تھیں اور حافظ کے ہاتھ بد دعا کے لئے بار بار اٹھ رہے تھے، وہ بڑی رقت آمیز درد بھری آواز میں اللہ سے زیادہ کر رہا تھا۔ رسول برحق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس کے حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ فرمایا آقا عے مد جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے :-

”مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے کوئی روک نہیں ہے۔“ (مسند احمد)

پولیس کی مار — الامان والحفیظ۔ حافظ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی جب ہوش آتا۔ پولیس زلیور کی داپسی کا مطالبہ کرتی اور مارنا شروع کر دیتی۔ بادشاہ میاں دکیل تاکہ میں پہنچے اور کہا کہ وہ بھڑکے دکیل ہیں۔ ملزم سے بات تنہائی میں کرنا چاہتے ہیں۔ پولیس نے اجازت دی۔ بادشاہ میاں نے عازہ سے کہا اگر تم میری بہن کو دارالقصاں چل کر طلاق دیدو تو میں تمہیں رہا کر دیتا ہوں۔ حواس باختہ نے جسکے آنکھوں میں موت پھر رہی تھی۔ حالت منظری میں "ہاں" کہہ دی۔ بادشاہ میاں حافظ کے دارالو کی عدالت کے دکیل کو لے آئے کا عذات طلاق تیار کروائے اور پولیس سے اجازت لیکر اپنی ذمہ داری پر حافظ کو لیکر کہ وہ زلیور برآمد کر داکے ساتھ لائیں گے عدالت دارالقصاں اسکو لے گئے۔ عدالت میں حافظ سے اپنی بہن بدرو بیگم کو طلاق بائیں دلا کر مقدمہ خارج ہونے کے بعد بزریمان طوائف سے متعلقہ ناکر میں درخشا دولئی کہ زلیور میرا مکمل بل گیا ہے ملزم کو رہا کر دیا جائے۔ کڈوال سے حکم حاصل بھی کر لیا۔ بحکم کو ذوال حافظ رہا ہوئے لیکن اس کے ہاتھ بدعا کے لئے عمر بھر لٹھتے رہے۔ جسم سے نکلا خون اور جسم پر پڑے مار کا نشان جو زندگی بھر بطور یادگار باقی بچ گئے تھے۔ عمر تمام اللہ سے زیادہ کرتے اور بادشاہ میاں اور ان کو اولاد کو بد رعائیں دیتے رہے جو مقبل بارگاہ عجیبہ کہ آگے آئے گا ہوئیں۔

مقدمہ خارج ہونے کے ذریعہ بعد تاریخ شادی مقرر کر کے بدرو بیگم کی شادی ہندوؤں کے روستا کے ساتھ حفیظ الدین کے ساتھ کر دی گئی۔ عالم خاندان نے یہ بھی نہیں سوچا کہ بدرو بیگم بعد نکاح گھر سے کڈوال غائب رہی اور حافظ کے گھر میں رہی۔ طلاق کے بعد عدت کا بغرض عقد ثانی تین ماہ دس یوم گزرا۔ ازراے شریعت مزدوری ہے۔ سیاہ میں بدرو بیگم کا عقد اول لکھایا گیا ہے۔ گویا عدت کی تکمیل کے بغیر بدرو بیگم کا عقد ہوا ہی نہیں، وہ تمام عمر حفیظ الدین کے ساتھ زنا میں مبتلا رہی۔ جو اولاد ہوئی وہ سب ناجائز۔ ایسے ہی متعد بہ علامہ فرطتے ہیں۔

خودی کی موت سے پہلے شکستہ بالوں پر با قفس ہوا ہے حلالہ اور آستینانہ حرام! قارئین آگے پڑھیں گے کہ بادشاہ میاں سے قدرت ان مظلوم ماکسن انداز سے بدلہ لیتی ہے۔ بادشاہ میاں اور ان کے ذالہ نے جو قرین رسول اور توہین مذہب کرنے کی جسارت کی اسکی کیا کیاسنائیں ان کو اور انکی اولاد کو دیتی اور بدرو بیگم کی بیٹی گوری بیگم اور اس کی بیٹی وجینہ ضعیفی میں بادشاہ میاں کو کس طرح عذاب بن کر لپٹ گئے۔ بادشاہ میاں اول تو اولاد سے محروم رہے۔ عالم ضعیفی میں اولاد ہوئی تو کس طرح ایام سے محروم ہو کر شیا طین کی پر جاییں مصروف ہو گئیں، اپنے اپنے وقت پر آئے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ ہر چکنے دالی چیز سونا نہیں ہوتی۔

باب ہفتم

(۱) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی (اقبالہ)

منصف مجسٹریٹ صاحب (بادشاہ میاں) کے حالات زندگی پر ایک نظر

بادشاہ میاں کا بعد وفات والدہ نومادہ سے اٹھارہ سال تک اپنے نانیال میں پرورش پانا پھر اگر والد اور علاقائی ماں کی خدمت کرنا اور ابتدائی عمر میں نو سال تک پیشہ وکالت کا کام انجام دینا اور بہ زمانہ وکالت لڑاکا وکیل کے نام سے شہور رہنا پھر باپ کے دعائے امر کی بنا پر منصف مجسٹری کے عہدہ پر فائز ہونا یہاں کیا گیا۔ جو حالات پیش کیے گئے اس سے ظاہر ہوگا کہ سوائے مرشد اعظم کے زندگی بھر جو عدالت کے ناظم اعلیٰ تھے جنہوں نے کبھی دین کا نام لیکر دنیا نہیں کھائی تمام بشمول مرشد اعظم نے دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا جس میں منصف مجسٹریٹ صاحب بادشاہ میاں بھی شامل نظر آتے ہیں۔ منصف مجسٹریٹ صاحب نے اپنے مستقر پر دیانت اور صحیح انصاف کے ڈنکے بجا دیئے اور رشوت سے ہمیشہ پرہیز کیا لیکن لازمیت سے ہٹ کر اپنی خانگی زندگی میں وہ ان اعلیٰ اصولوں پر پورے اترتے نظر نہیں آتے اور نہ مذہب پر پورے اترتے نظر آتے ہیں مذہب کا دکھاوا اس حائدان نے اپنا شیوہ زندگی بنا لیا تھا۔ اب ہم بادشاہ میاں کی شخصی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ حانظ کی بددعائیں بادشاہ میاں کا تعاقب زندگی بھر کرتی رہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ دعائیں مقبول بارگاہِ الہی ہو کر بادشاہ میاں کے یہ ظالمانہ جوش کد رانے ان کے تقدیر کے راز کھول کر رکھ دیئے جیسا کہ شاعر مشرق غزلتے ہیں۔

راز ہے راز ہے تقدیر جہاں کئے راز
جوش کد راز سے کھل جلتے ہیں تقدیر کے راز

بادشاہ میاں کی پہلی شادی

بادشاہ میاں کی پہلی بیوی معظم النساء بہت ہی محسن کا بچہ تھی۔ اس کا فائدہ بادشاہ میاں

یہ بتلاتے ہیں کہ خلوت میں صرف انہیں ہاتھ لگاتے تو صحن میں چھینک دیکے جاتے۔ ہزار بار وہی علاج پر خرچ ہوا۔ پتہ چلا کہ اجٹا کے بادشاہ کا تصرف ان محترمہ پر تھا جو تین سال کی عمر سے ان کے ساتھ تھا تو کسی عامل کے علاج سے نائدہ نہ ہوا۔ ایک عامل نے ایک تعویذ دی چھو

دو دن میاں بیوی کی کسی زندگی گزار سکے، پھر تعویذ لگو گئی پھر پہلے جیسی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ علاج کے لئے روپیہ کا بے انتہا خرچ مگر سکون غائب۔ زندگی ایک دہان بنی رہی آخر سات سال رو کر وہ بیوی اللہ کو پیاری ہو گئی۔

بادشاہ میاں کا عقد دوم بیوی کے انتقال کے پورے دو سال بعد بادشاہ میاں نے ایک بیوہ ملکہ بی بی سے جنہیں ماہانہ تیس روپیہ یومیہ تھا نکاح کیا۔ محترمہ کے پیٹ میں شدت کا درد ایسا ہوتا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ صاحب اولاد نہ ہو سکیں۔ ایک دن فیض صاحب نے اپنے بیٹے بادشاہ میاں سے کہا کہ ہماری بہو کو لے آؤ۔ بادشاہ میاں نے گئے تو فیض صاحب کو جوڑ لگا ہوئی تھی وہ بہو کے گود میں ڈال کر کہا یہ تمہاری بیٹی ہے لیجاؤ۔ اس لڑکی کا نام نظامی بیگم رکھا اور انا کو رکھ کر پھر دشمن کی۔ اہلیہ دم تیرہ یا سترہ سال زندہ رہیں۔ آخر وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

بادشاہ میاں کی اہلیہ سوم اب بادشاہ میاں کی عمر (۴۵) میں سال کی سیر عالم شباب کو کر رہی تھی۔ قوی اچھے پائے تھے اس عمر میں اس حالہ نے جس نے اٹھارہ سال تک انہیں پالا تھا ان کی جانب تو جہش اور ایک باکرہ شریف الخاندان لڑکی زینت بیگم سے جو اپنے شباب کے آغاز پر یعنی زندگی کے (۱۹) ویں سال کی سیر کر رہی تھی دلہن بنا کر لے آئیں۔ یہ عجیب اتفاق کہ بادشاہ میاں اور زینب بیگم کے والد کا سنہ پیدائش ایک ہی تھا۔ زینب بیگم کے والد سید محمد الدین حسین البیض مدر اس یونیورسٹی کے اس دور کے گریجویٹ تھے۔ مدر اس سے آکر حضور نظام میر خجرب علی خان کے دفتر پیشی میں ایک اچھے عہدہ پر فائز ہوئے تھے، بد نصیبی تھی کہ (۳۸) سال کی عمر میں مرضی ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہوئے اور جان برہ ہو سکے۔ بادشاہ میاں کی قسری شادی بلحاظ مالیت زیور کمر بہت شاندار شادی تھی۔ سونے کے بازیب کے ساتھ شادی کی گئی تھی جو اس زمانہ کی سب سے میاری شادی شمار کی جاتی تھی۔ گویا ایک طرف بادشاہ میاں نے جو والد اور علاقائی ماں کی خدمت کی تھی اس کا بدلہ قدرت کو چکانا تھا تو دوسری جانب تو بین رسول مذہب کے نام پر دنیا طلبی اور حادثہ پر ظلم کا بدلہ چکانا قدرت کو انہیں اولاد دینی تھی۔ ہر اچھے اور بُرے کام کا بدلہ دنیا ہی تقدیر کا کام ہے جیسا کہ حکیم الامت فرماتے ہیں۔

تقدیر ہے اک نام مکانات عمل کا دیتے ہیں یہ پیغام خدایاں ہمالہ

بھروسہ اللہ اور رسولؐ پر

یا بھروسہ عمر پر

بادشاہ میاں کی تیسری شادی کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ جب بادشاہ میاں کا کاغذ شادی دہن والوں کے پاس گیا اور دریافت کر لئے دیا گیا تو منصف مجسٹریٹ صاحب کے دیا مندر ہونے اور رشتہ سے پرہیز کرنے اور عالم خانہ کے یزد ہونے کا لڑگوں نے ذکر کیا۔ دریافت کرنے والوں نے جب یہ تذکرہ ان کی ہونیوالی خوش رامن صاحبہ سے کیا تو وہ خوشی سے کہہ اٹھیں میں تو اپنی بیٹی ضرور ایسے ہی کو دوں گی۔ ان کے ماموں اور خانہ ان کے تمام لوگ خلاف تھے کہ عمر کا اس قدر تفاوت ہے، نہیں دیا جاسکتا۔ وہ اللہ والی — جس کی زبان پر دن تمام — اللہ — اور میرے رسول اللہؐ رہا کرتا تھا، کہا — میری زبان سے ہاں نکل گئی اب ہاں کہہ کر نہیں کہوں گی۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بھروسہ پر دے دوں گی۔ البتہ دوسری بیٹی صغریٰ کے بارے میں دخل نہ دوں گی۔ قیصلہ آپ لوگوں پر جوڑ دوں گی۔ چنانچہ زینب بیگم (۱۹) سالہ کو بادشاہ میاں (۲۵) سالہ سے بیاہ کر دیا گیا اور صغریٰ بیگم (۱۸) سالہ کا ایک زوجہ (۲۵) سالہ سے خاندان والوں نے بیاہ کیا۔ صغریٰ بیگم صرف سات سال سہاگ کر کے (بمصر ۲۵) سال بیوہ ہو گئیں اور زینب بیگم (۵۳) سال کی عمر تک سہاگ رہیں، یعنی بحیثیت سہاگن تیس سال سے زیادہ بسر کئے۔ اللہ والی اپنی زندگی تک ہمیشہ خانہ ان والوں سے بوجھ کر لڑتیں۔ تم لوگوں نے عمر پر بھروسہ کر کے صغریٰ کو دیا، میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ پر بھروسہ کر کے زینب کو دیا۔ کہو کسی کا بھروسہ کام آیا۔ ایسی نیک خدا رسیدہ اللہ والی نیک ہستی کی زندگی اور موت کے تعلق سے علامہ اقبال نے خوب دفاحت کی ہے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تر اسفر

(۲) یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار (اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب والہیہ سوم

انوکھا فلسفہ تقویٰ

منصف مجسٹریٹ صاحب نے جہاں سرکاری ملازمت میں انصاف اور دیانت داری کے دونکے بجا دئے تھے اب اپنی الہیہ رسوم کے ساتھ انصاف کرنے کے بجائے خیالی انوکھا فلسفہ کو اختیار فرما کے حقیقت اور انصاف سے گریز کر گئے۔ مجسٹریٹ صاحب اپنے عالم شباب میں پہننے کے حوصلے نکال لئے تھے اب ان کی الہیہ کہ پہننے کے دن تھے۔ مجسٹریٹ کا دل اب اگر مردہ ہو چکا تھا تو اپنے نامناسب تقویٰ خیالی کا رعب ایک کم عمر

لڑکی جواب ان کی اہلیہ بنی تھی غیر صحیح انداز سے جہاننا قرین انصاف نہ تھا کہ تمام ملبوسات جو چیزیں دیئے گئے تھے اسکو صندوق میں بند کر کے قفل لگا دینا اور معمولی دو جوڑے کپڑے لاکر پہننے کے لئے دے دینا اس کم عمر لڑکی کے دماغ پر پہلی ضرب کاری تھی۔ یہ ایک خیالی فلسفہ نقوی تھا چونکہ عورت کو سونے کے زیور پہننے سے نہ منع کیا گیا نہ اچھے کپڑے پہننے سے از روئے شریعت منع فرمایا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ کی عمروں میں بھی بہت تفاوت تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرق کو اپنے طرز زندگی اور اعمال سے کبھی محسوس ہونے نہ دیا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چلو بھاگتے ہیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نکل گئیں۔ دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے آگے نکل گئے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ناچ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے یہ ناچ دکھایا حالانکہ آپؐ کو اس ناچ سے دلچسپی نہ تھی۔

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز خلیفہ جمعے کو اپنی بیوی سے کہا تھا، تمہارا زیور جو تمہارے باپ خلیفہ نے جو عوام کے رویہ سے خرید کر تمہیں دیا ہے اسے بیت المال میں داخل کر دیا مجھ سے علمدگی اختیار کر لو۔ آپؓ کی بیوی نے فرمایا زیور آپؓ سے زیادہ مجھے عزیز نہیں۔ بیت المال میں داخل کر دیا۔ مجسٹریٹ صاحب کی اہلیہ سوم کو دیا ہوا زیور اور کپڑا حلال کی کٹائی سے خرید کر دیا گیا تھا۔ اگر منصف مجسٹریٹ صاحب اپنے خیالی فلسفہ کی بنا پر اسے جائز نہ سمجھتے تھے تو واپس بروہ ساس کو ہی کر دیتے۔ ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ آہستہ آہستہ مجسٹریٹ صاحب ان زیورات کو اور ملبوسات کو جسکو انہوں نے اپنی اہلیہ سوم کو بلحاظ تقویٰ پہننے سے باز رکھا تھا فروخت کر کے اپنے گھر کے اخراجات کی تکمیل فرمانے لگے یعنی اسے خیالی مذہبی فلسفہ کے تعلق سے علامہ اقبالؒ زرتے ہیں۔ یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار ہوئے فلسفہ لکھانے گیا خون جگر سے

(۳) یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری (علامہ اقبالؒ)

منصف مجسٹریٹ صاحب نے اہلیہ سوم سے شادی کرتے وقت عمر کے تناسب کا خیال نہ رکھا تھا۔ نتیجہ یہ کہ اہلیہ جوان ہونے سے ہر سال اولاد ہوتی جا رہی تھی۔

اہلیہ سوم اور مجسٹریٹ صاحب
انصاف کے تر از دیں

منصف مجسٹریٹ صاحب بیوی اور بچوں کے حقوق سے غافل ہو کر علاقائی مال حق کے نیچے جبران ہو کر نکلے بیٹھے۔ سنہ ۱۹۵۰ء ان جبران بچوں کی پرورش کے لئے نصف اپنی تنخواہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیتے تھے۔ علاقائی مال نے اپنی ایک بیٹی نظامی بیگم کو بھی گود میں ڈال کر اسکی ذمہ داری بھی سپرد کر دی تھی جو اب جبران ہو کر شادی کے قابل ہو چکی تھی اور منصف مجسٹریٹ صاحب اسکی شادی کی رسمات غیر شرعی اناز کے ساتھ انجام دینے قرضہ نکال چکے تھے جسکی ادائیگی بھی تنخواہ سے ہوتی تھی۔ اہلیہ سوم کا مطالبہ تھا کہ نصف تنخواہ جو آپ روانہ کر رہے ہیں آپ کے سب علاقائی بھائی جبران ہو کر نکلے بیٹھے کھارے ہیں اسکو روک دیا جائے تو اسکو منصف مجسٹریٹ صاحب اسے اپنی سخاوت اور خیرات سمجھتے تھے اور غصہ میں آکر کہتے تھے تم اور تمہاری اولاد باڈلی میں گر جاؤ۔

حضرت سعد کو ایک بیٹی تھی اور آپ صاحب دوات تھے۔ آپ نے چاہا کہ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خیرات کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم اپنی دولت میں سے چوتھائی خیرات کرو بقیہ بیٹی کے لئے رکھو چھوڑو تاکہ وہ محتاج ہو کر خیرات لینے کے موقف میں نہ آجائے۔“

منصف مجسٹریٹ کی اہلیہ سوم گویا پ کے
کیا اہلیہ سوم بے بس تھیں
سایہ سے محروم تھیں لیکن وہ اثرات رکھتی تھیں

مال کے حقیقی مالوں ایک منصف تھے دوسرے عدالت کے ناظم تھے اور مال کے نامادری احمد صاحب ہائیکورٹ کے جج رہ چکے تھے۔ لیکن سب یہی کہتے تھے کہ شریفوں میں بیٹی کو اپنے اثرات اور دوات کے بل پر گھر نہیں بیٹھایا جاتا۔ جس گھر میں ڈولی گئی ہے اسی گھر سے ڈولا نکھنا چاہیئے۔ یہی ہمارے خاندان کی ریت ہے۔ مگر سب منصف مجسٹریٹ صاحب کے عدم انصاف پھر عالم ہونے اور عالم خاندان کے سہوت ہونے اور عالموں کا سہلیہ اختیار کرنے پر حیران ہو کر بقول اقبال کہتے تھے۔

ترے دین و ادب سے آہی ہے اور بیانی ۲
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری ۲
ملائی نظر نور فرست سے ہے خالی ۲
بے سوز ہے میخانہ صوفی کی مئے ناب ۲

(۴) قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاع کردار (اقبال)

اہلیہ سوم کے دماغ پر منصف مجسٹریٹ صاحب ضرب پر ضرب لگا رہے تھے۔ یوں تو ہر چیز ناقابل برداشت اور خلاف انصاف تھی لیکن ایک اور چیز جو سہل درج

رد عمل بصورت غیبت
اور خطر ناک نتائج

ایک کم عمر لڑکی کے لئے بنی ہوئی تھی وہ یہ کہ بوقت پریشانی و ضرورت جہیز میں آئے زیورات میں سے کسی چیز کو فروخت کر کے تمکین اخراجات منصف مجسٹریٹ صاحب فرماتے تھے۔ اہلیہ سوم بے بس تھی اور سامنے قومنہ پر قفل رہتا مگر جب کوئی مل جاتا تو شوہر کی غیبت شروع کر کے آنسو بہانے لگتی۔ غیبت کی تعریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا غیبت کیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کسی کا ذکر اس طرح کرنا جسکو وہ بُرا سمجھے... اگر وہ بات اس میں ہے جو تم نے کہی تب تم نے غیبت کی اور اگر وہ بات ہے ہی نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا (مسلم)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے اور سننے سے منع فرمایا (ریاض العالجین) حضرت مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے کسی مسلمان کی غیبت کر کے ایک لقمہ بھی کھایا تو اللہ اتنا ہی لقمہ آتشِ جہنم کا کھلائے گا اور جس نے مسلمان کی غیبت کر کے کوئی کپڑا پہنا اللہ تعالیٰ قیامت میں اتنا ہی کپڑا آتشِ جہنم سے پہنائے گا۔ (البرادؤی)

فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے اور غیبت سننے والا دروزں گناہوں میں شریک ہیں اور فرمایا جہنم خور جنت میں نہیں جائے گا۔ (غریب و مسلم)

اہلیہ سوم اپنے شوہر کے تعلق سے جو کہتی تھی وہ حقیقت ہی رہتی تھی مگر آنحضورؐ نے اسے بھی غیبت قرار دیکر عذاب کی وعید دی ہیں۔ اہلیہ سوم لگتا تو شوہر کی غیبت کی عادی ہو گئی۔ حتیٰ کہ جب اولاد بڑی ہوئی تو اولاد کے سامنے اپنے شوہر کی غیبت کرتی تھی۔ یہ بڑا ناک سبب تھا۔ اولاد کے لئے ماں اور باپ دونوں کی عزت و ادب ضروری و لا ابدی ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت اور باپ فرمانِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ررشتی میں جنت کا دروازہ ہے۔ اولاد کی دروزں کا ادب کرنا لازم ہے میاں بیوی کے رشتہ برابری کے ہیں۔ اولاد کے نظروں میں ماں کا باپ کی عزت و وقعت کو گرانہ۔ یہ ماں کا خود اپنی اولاد کے حق میں بدترین کا نام ہے گویا ماں خود اپنی اولاد کی دین دنیا تباہ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ اس سے اس بات کا امکان بھی ہے کہ باپ کے ساتھ اولاد کوئی نامناسب ایسی حرکت کر بیٹھے جو اسے جنت سے محروم کر کے حوالے جہنم کر دے۔ اس لئے ہر ماں کا فرض نیتا ہے کہ باپ کی عزت کرنا اولاد کو سکھائے کہ اس کی اولاد جہنم سے بچی رہے۔ غیبت کرتے کرتے اہلیہ سوم کی یہ حالت ہو گئی وہ جس اولاد سے خفا ہو جاتی اس کی غیبت

دوسری اولاد سے کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اولاد میں غیبت کی عادات پیدا ہو گئی تمام اس غیبت کے خطرناک مرض میں مبتلا ہو گئے اور ہمیشہ آپس میں دست بگرہاں رہنے لگے۔ غیبت ایسی دبا اور مصیبت ہے اس کے ہاتھوں بقول علامہ اقبال۔
 فرم کے ہاتھوں سے جانا ہے مآخِ کردار۔
 ہر سمجھ دار ماں اگر اپنی اولاد کا خیر خواہ ہے اور اس کی تباہی نہیں چاہتی
 اور اس کے دین و دنیا کے سکون کو برقرار رکھنا چاہتی ہے تو اس پر لازم
 آتا ہے کہ غیبت کی خطرناک بیماری کو وہ اپنے گھر میں داخل ہونے ہی نہ دے اور ایک بہترین نمونہ
 بن کر اولاد کی تربیت کرے۔ ایسی تربیت کہ ماں کے مرنے کے بعد اولاد ماں کے تعلق سے علامہ اقبال
 کی زبان میں یہ کہنے کے قابل ہو جائے کہ اے میری پیاری ماں۔

تربیت سے تری میں انجم کا ہم سمت ہوا
 دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تری حیات
 گھر مرے اجداد کا سر لایہ عزت ہوا
 تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تری حیات

باب ہشتم

(۱) نقش میں سب نا تمام خون جگر کے بغیر !

منصف مجسٹریٹ کی اولاد
 از بطین اہلیہ سوم

منصف مجسٹریٹ صاحب نے اپنی عمر کے (۴۵) سال کے ختم پر اہلیہ سوم سے شادی کی تھی اس لحاظ سے ملازمت کے صرف دس سال باقی تھے۔ اس دس سالہ مدت میں بلا وقفہ اولاد جنم دینے کا ہم ممکنہ

جلدی سے جاری رہی۔ کوئی سال ناغہ ہی نہ ہوتا تھا جبکہ بیٹے اور بیٹی کا اضافہ یا کوئی صل ساقط نہ ہوتا ہو۔ وظیفہ تک آٹھ بچے پیدا اور دو تین صل ساقط ہو چکے تھے۔ دواشرکوں کے انتقال کی وجہ سے بچہ بقیہ حیات تھے۔ بعد وظیفہ منصف مجسٹریٹ پانچ سال تک یعنی ساٹھ سال کی عمر تک گھر میں بیٹھے رہے اس دوران پانچ بچے تولد ہوئے، تین لڑکیاں انتقال کر گئیں، ایک لڑکی اور لڑکا زندہ رہے، اس وقت تک کے زندہ بچوں کی تعداد آٹھ ہو گئی تھی، ساٹھ سال کی عمر کے بعد منصف مجسٹریٹ صاحب منصفی جاگیر کالیانی شریف لے گئے یہاں دو لڑکے تولد ہوئے اس طرح

تعداد زندہ رہنے والے بچوں کی دس ہو گئی۔ آخری لشکر کا ہجر (۶۸) سال منصف مجسٹریٹ صاحب کو تولد ہوا تھا جبکہ اہلیہ سوم چالیس سال کی تھیں زندہ لڑکے اور لڑکیاں حسب ذیل تھیں۔

(۱) سعید (۲) فاطمہ عرف محمدی (معدی بیگم) (۳) احمدی بیگم (۴) اندی بیگم (۵) اصغری بیگم (۶) جیلانی (۷) جعفری (۸) اکبر الدین (۹) وقار الدین (۱۰) غازی الدین کمال فوت شدہ اولاد۔ (۱) حسینی بادشاہ (۲) غوث (۳) مشتری (۴) حیدری (۵) رشیدی۔

اس اثناء میں منصف مجسٹریٹ صاحب جاگیر کی نوکری دختر کلاں کی وجہ سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے چھوڑ چکے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کی خواہش مزید بچوں کو جنم دینے کی تھی لیکن اہلیہ سوم نے انکار کر دیا۔ چونکہ وہ نوکری چھوڑ دینے سے ان پر خفا تھیں اور جو بچے زندہ تھے ان کی ادلتا ذمہ دار لیں سے بھی پریشان۔ اہلیہ سوم کے انکار پر منصف مجسٹریٹ صاحب نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا جو انسانہ بن کر سب کے سامنے منظر عام پہنچا۔ وہ گھر چھوڑ کر نکل جانے اور درگاہ شریف میں رہ جانے کی دھمکیاں دینے لگے۔ اب اہلیہ سوم بچان کی طرح اٹل ہو چکی تھی۔ درنہ منصف مجسٹریٹ بڑے مزے سے ایک دو کا اور مزید کم از کم۔۔۔ اضافہ کرنے اٹل تھے۔ اس ضیعفی میں گھر سے نکل جانے کی دھمکیاں اہلیہ سوم پر اثر نہ کر سکیں۔ اس ضیعفی میں جانے کہاں؟ صبر کر کے خاموش ہو رہے اور نا ہنجار اولاد میں اضافہ کر کے جیسا کہ آگے آئے گا زندہ اولاد میں سے کسی کو نہ مذہب کا مذاق اڑایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی حد کر دی اور شیاطین کی چکر میں پڑ کر ایمان سے محروم اور شیاطین کے بجاری بن گئے، بقول علامہ اقبال

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید / ضمیر پاک دخیال بلند و ذوق لطیف

حافظ پرطرائف کا سہارا لیکر ظلم کرنے پر شاید اسکی بد دعائیں ساتھ ہو گئیں تھیں یا بہن کو زنا میں

نا قابل معافی بھیا نک گناہ عظیم

مبتلا کرنے کا عذاب منصف مجسٹریٹ صاحب کو تہر بن کر لپٹ گیا تھا کہ وہ عجیب و غریب ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب کرنے لگے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کو تصادیر جمع کرنے کا بہت شوق تھا کافی ذخیرہ تصادیر کا جمع کر لیا تھا یہ جانتے ہوئے کہ تصویر کھینچی اور رکھتی منع ہے۔ انتہا یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک (تصویر) اور حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ و دیگر کئی بزرگان دین کے تصادیر بھی لا کر رکھ لئے تھے، خاص خاص لوگوں کو دکھاتے اور کہتے کہ ایک مصور نے ان سب کو خواب میں دیکھا اور بعینہ تصادیر بنائی ہیں۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ خواب میں دیکھنے کی ضرورت

ہی کہا جیکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کتابوں میں درج ہے۔ گناہ عظیم تو اس ہستی کی تصویر بنانا ہے جس کا سایہ زمین پر نہ پڑتا ہو۔ کسی شاعر نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوب کیا ہے۔ جس کا سایہ نہ ہو اس کا ثانی کہاں؟

ان تصاویر سے انکی اہلیہ سوم متفق نہ تھیں وہ اسکو باعثِ تباہی اور گناہ عظیم سمجھتی اور سمجھاتی رہی۔ جاگیر کی زکری بڑے فرزند کی عاشقی، مفیدی بیگم کے چائے نادات دیگر لوگوں کی شادی کے اسباب نہ ہونا دیکھ کر وہ ان تصاویر کو گھر سے نکال دینے کا مطالبہ کرتی تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان تصاویر کو کسی باڈی میں ڈال دیا جاتا۔ لیکن منصف مجسٹریٹ صاحب کسی اور کو گناہ میں مبتلا کرنے پر اتر آئے۔ ایک دن وہ زاب شوکت جنگ کی ڈیوڑھی گئے۔ زاب صاحب بھی کبھی کبھار ملنے آتے تھے۔ زاب صاحب کو تصاویر کی حقیقت اور اس کا تقدس سمجھایا۔ وہ زابی بھیجہ سر میں رکھتے تھے سمجھا کہ لائق اور خاندانی اس قدر لمبی ڈاڑھی رکھنے والا عالم و مولوی جو سمجھا رہا ہے بالکل صحیح ہوگا۔ گھر آکر تصاویر سر پر رکھ کر رکھے۔ چند سال بھی ان پر نہ گزرے تھے کہ وہ تباہی کا شکار ہو کر برباد ہو گئے اور خود منصف مجسٹریٹ صاحب کی اولاد کس طرح توہینِ رسول کے عذاب میں مبتلا ہوئی آگے آگے گا۔ اسلئے علامہ فرماتے ہیں۔

عشق ہی گوید کہ اے محکوم غیر سیدنا تو ازبتاں مانند دیر
ترجمہ: عشق کہتا ہے کہ اے غیر اللہ کے محکوم و غلام تو زینہ بت فلنے کی طرح بتوں سے بھرا ہوا ہے۔

(۲) نبض موجودات میں پیدا احمرار اس سے ہے (علامہ اقبال)

پہلے تو ہمیں غور کرنا چاہیے کہ دنیا کی پیدائش کا مقصد باری تعالیٰ کا کیا ہے اور پھر انسان کو عالمِ دجود میں لانے کی غرض و غایت کیا ہے۔ یوں تو مشرک کافر، منافق سب ہی اس دنیا میں نظر آتے ہیں لیکن انسانوں میں اشرف وہی ہوگا جس نے صداقت اور وحدانیت کو سینے و دل میں بسایا اور اسکی صفات کی۔ باطل کو مٹایا۔ حق کے نام کو جگایا، باطل کے جھنڈے کو گرایا، توحید کے پرچم کو لہرایا۔ ایسی ذات ایسی ہستی صرف اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ کے غلام ہی کی ہو سکتی ہے جو بنام ”مسلم“ عالمِ دجود میں آتا ہے۔ علامہ اقبال دنیا اور مسلمان کی پیدائش کے مقصد کو یوں اجاگر کرتے ہیں۔

ہم نشیں مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں
نبض موجودات میں پیدا احمرار اس سے ہے

حق نے عالم اس صداقت کیلئے پیدا کیا ؛ اور مجھے اسکی حفاظت کیلئے پیدا کیا
 دہریہ غارت گر باطل پرستی میں ہوا ؛ حق تو یہ ہے حافظ ناموں ہستی میں ہوا
 میری ہستی پر یہی عربیانی عالم کہے ؛ مرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی
 قسمت عالم کا مسلم کو کب تابندہ ہے ؛ جسکی تابانی سے انہوں سحر شرمندہ ہے

جب قیام دنیا اور پیدائش انسان دونوں کا مطلب و مقصد سامنے آگیا تو اس مقصد توحید کو برقرار
 رکھنے باطل سے دنیا کو مثال انسان کو اولاد کی ضرورت لاحق ہوتی ہے لہذا قیام دنیا تک نئی نسل کا آنا
 ضروری ہے جو نہ دنیا کا قیام فنا پر رکھا گیا ہے ۔ تغیرات اس دنیا کی فطرت اور مقدر بنا دیئے گئے ہیں
 لہذا موجودہ نسل جب بعد از انقضیٰ کار نہا ہوتی یعنی عدم آباد پہنچ جاتی ہے تو نئی نسل کو اپنی پشت و کونڈ
 سے جنم دے جاتی ہے ، بس یہی نسل اولاد کہلاتی اور توحید کا ڈھکا بھانے میں مصروف ہو جاتی ہے ۔ دنیا
 میں اولاد کو انشاء دالے بھی جنم دیتے ہیں ریاکار اور بکے دنیا دار بھی مشرک اور کافر بھی ۔ صرف اللہ والے
 جب اولاد کے لئے بیوی سے ملتے ہیں تو باد خوار اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اولاد صالح اور توحید اور
 دین کی حفاظت کے لئے عطا ہو ۔ ریاکار دنیا دار مشرک اور کافر اولاد جنم دیتے ہیں صرف دینی خواہشا
 اور جذبی شہوت کی تکمیل کے لئے اور اپنے بعد چندے ان کا نام رہے اور ان کی دنیوی دولت کی وہ
 وارث بنے ۔ مرنے والے دولت عارضی ظاہری سکون جو طلب مطمعین سے محروم رہ کر حاصل ہوتا ہے ان
 کے لئے کافی ہے ۔ ان کی اولاد ان کے اوصاف قبیح یعنی ریاکاری مشرک اور شیطانی کی پورا ارشیا طین کے
 سامنے سر جھکانے میں ان سے کبھی آگے نہیں رہتا ہے ۔ علامہ سلمان بن کرہ نے اور اللہ کے سوا کسی اور کے
 سامنے سر جھکانے کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام ؛ جس سے ہر سجدہ ہو تجھ پر حرام

برائے لوگ ایک حدیث سناتے ہوئے کثرت اولاد پر یوں فخر کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا اولاد کو قتل مت کرو ۔ میں قیامت کے دن اپنی امت کی کثرت پر فخر کرونگا ۔ بس یہ بتایا
 اولاد جنم پہ جنم دیتے گئے ۔ نہ اولاد کی تربیت کا خیال نہ ان کے فرائض کی تکمیل کا احس ۔ اولاد جنم
 دی انہیں کفر اور شرک سے ہلکا اور اسلام سے دور کر دیا ، کفر پھیلاتے شرک کا جھنڈا اٹھانے والے ان کے
 ہاتھوں میں طاقت و قوت نظر آتی ہے مگر توحید کا پرچم ہرانے ان کے ہاتھ بے زور نظر آتے ہیں
 کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی امت کی کثرت پر بزدلی قیامت فخر کر سکیں جن کے بارے میں حکم اللہ
 یوں نقشہ کھینچے ہیں ۔

ہاتھ لے زور میں الحاد سے دل تو گرہیں ۛ استی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
 بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گرہیں ۛ تھا ابراہیم پدر اور پسر آذر ہیں
 بارہ آتشام نئے بادہ نئے خم بھی نئے ۛ حرم کعبہ نیابت بھی نئے تم بھی نئے
 جو اولاد توحید کا پاس نہیں کرتی اللہ کے رسول کی قرہیں کا سبب و موجب بنتی ہے ایسی
 اولاد کے بارے میں شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

نقش ہیں سب تمام خونِ جگر کے بغیر !
 نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر !

مسلمانوں پر لازم آتا اور ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دنیاوی
نتیجہ و نصیحت | عہدوں ہی کے لئے نہیں بلکہ توحید کا ہر جسم لہرانے کے لئے
 پیدا کریں۔ اور شیاطین کی پوجا سے انہیں بچائے۔

باب نہم

(۱) عدل ہے خاطر ہستی کا ازل سے دستور (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کے بڑے فرزند سعید اب
 گرجوٹیٹ ہو چکے اور اب وہ ان کی ضیفی کے سہارے
 اور ٹھکانے پیری تھے اور ماں اور باپ کی آنکھوں کا
 وہ نور جس کے ذریعہ وہ گھر کو زرا فی بنانے کے خواب

بدرو بیگم کی اولاد کے ذریعہ
 انتقام لینا قدرت کا شیوا نصفا

دیکھ رہے تھے۔ قدرت کو منصف مجسٹریٹ سے اسی گناہ عظیم کا بدلہ لینے کے سلسلے کو جاری رکھنا تھا۔
 حافظ کی بدعائیں برابر تعاقب کر رہی تھیں۔ مظلوم کا آہیں ہمیشہ کسی نہ کسی انداز سے بیا کب روپ
 لیکر ظالم سے انتقام لیتی ہی رہتی ہیں۔ حافظ صاحب - بدرو بیگم - ازروئے شریعت نکاح
 منصف مجسٹریٹ صاحب کا عالم شباب - ایک طوائف سے سیل جول - غلط درخواست - حافظ
 کی پٹوائی - غیر صحیح انداز سے طلاق کا حاصل کرنا - بہن بدرو بیگم کا حفیظ الدین سے غیر شرعی
 انداز سے بغیر مدت عدت گزرے شادی - گریا بہن کو تمام عمر مبتلائے زنا کرنا - ناجائز اولاد کا

پیدائشی کا سبب بنا۔ گوید نصیب بدر بیگم بصورت مجروری زما میں بتلارہ کر دنیا سے چل بسی مگر اسکی ایک بیٹی گوری بیگم اب گویا ماں کا انتقام لینے معا پنی بیٹی "جینا" کے ناگن ہمارو پ لئے منصف مجسٹریٹ صاحب کو عالم ضحیٰ میں ڈسنے بڑھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ کتنی ہی تیز رفتار کے ساتھ وقت کے پر لگا کر اڑے مگر بعض گناہ کبیرہ ایسے ہوتے ہیں جس کے اثرات زمانہ کی تیز رفتاری کے باوجود غیبت و نابود نہیں ہوتے بلکہ انتقام پر انتقام یکے انتقام کی زنجیر کی سی شکل اختیار کرتے ہیں۔

(۲) عشق کی تیغ جگر دار ارٹائی کس نے (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کی بہن بدر بیگم کی ایک دختر گوری بیگم تھی۔ یہ کم عمری میں ایک ہندوستانی گھرانے میں بیاہی گئی تھی، لہذا ہندوستانی انداز دلجو گفتگو کا اختیار کیا۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے ہونے کے بعد بروہ ہو گئیں۔ بہت ہی شریخ و چیل طبیعت پائی تھی۔ انداز گفتگو اور انداز ملاقات بہت ہی شریخ اور بے تکلفانہ۔ تمام خاندان کے زوجان لڑکوں سے گلے ملتی۔ خاندان کے تمام زوجان اس نے گھر کو شہد کا بچھتہ اور اپنے آپ کو شہد کی مکھی سمجھ کر اس کے گھر موجود رہتے۔ گوری بیگم کی ایک لڑکی تھی "جینا"۔ جینا کے شباب نے آنکھیں کھلیں بھی نہیں زنجیب مستانہ ماحول میں۔ گویا چودھویں کے ماہتاب نے بچپنا کے ابرو کی چادر سے جب اپنا سر نکال کر شباب کے آسمان کو دیکھا تو اسے اپنے اطراف ستاروں کی محض نظر آئی۔ مستانہ فضا۔ دلفریبی و مستی لیا ہوا جزیر۔ بانکی ترچھی نگاہ۔ البیلی وضع۔ اٹھ جڑواں دیکھ کر خاندان کے تمام زوجان اپنا دل تمام کر رہ جاتے۔ جینا کی البیلی جوانی نے انگڑائی بھی لی تو عجیب مسکراتے ماحول میں۔

عشوق آید۔۔۔۔۔ عاشق ہزار۔۔۔۔۔ مگر عاشق صرف عاشق ہی رہنا چاہتے تھے اور عشوق کو صرف عشوق ہی بنائے رکھنا ان کا مقصد زندگی تھا جو کہ ان کے والدین راستے میں حائل تھے۔ جینا کی ملا ٹوری بیگم کا نیہ خواہش تھی کہ ان زوجانوں میں سے کسی ایک کو اپنی جال میں پھنسا کر عاشق و عشوق کے رشتہ کو میاں و بیوی کے رشتہ میں بدل دے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے گور کا بیگم نے ہر ممکن حربہ کو آزمایا حتیٰ کہ جادو کے حربے سے بھی کام لینے گریز نہیں کیا۔ آخر اس غریب پر یہ کہادت و مثل صادق اٹھی کہ "البیلی نے پکائی کھیر، دودھ کا جگ ڈالا پیر، یعنی بے دھنگے پن نے کام بگاڑ دیا، کچھ کا کچھ کر دیا۔ کسی زوجان کے والدین نے بھی جینا کو اپنے گھر کی زندگی یعنی بہو بنانے حائل نہ بھری۔ جس بروہ کے ہاں جہیز کا نقدان ہو۔ دولت کا آفتاب سسرال کو اپنی گرمی سے نہ گرمائے، وہاں صرف حسن کی گرمی

۷ وچپنل جوانی ایک آہ سرد بن کر رہ جاتی ہے اور زندہ دلی کا انداز قابل قبول نہیں بلکہ بدنامی، رسوائی سیاب بن کر بدکرداری کا لیل لگا دیتا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو منصف مجسٹریٹ صاحب کے بڑے رسید نے بھی اپنا نام یہاں عاشقوں کی لمبی فہرست میں سر فہرست لکھوایا تھا۔ یہ واحد عاشق مجنوں نے جینا کو اپنے جینے کا سہارا بنالینے کا تصفیہ کر لیا تھا مگر ماں باپ کی رضامندی حاصل کرنے ام گوری بیگم پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے ماموں اور مومانی کو خود راضی کر لیں۔

(۳) سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات

(علامہ اقبال)

ایک دن چار بجے کا وقت تھا کہ گوری بیگم اپنی بیٹی جینا اور دوڑن بیٹوں دھڑوری سامان کے ساتھ جہیں بطور خاص گراموفون قید مرغیاں بھی شامل تھیں بطور مہمان رہنے بغیر ملوائے اپنے ماموں منصف مجسٹریٹ کے گھر آ موجود ہیں۔ پندرہ روزہ کر اپنی بیٹی جینا کے حسن کے نظارے جسکو سعید ترا اس کے گھر جا کر دیکھتے ہی رہتے ان کے والدین کو دکھانے لگیں۔ رات دن گراموفون اپنے کام میں مصروف تھا۔ عاشقی کے ریکارڈ نہ تھے۔

پھر سے کہو ذرا مجھے تم سے پیار ہے پھر سے کہو ذرا مجھے تم سے پیار ہے
کی نفا عشق دعا عشق کے عطر سے بہک رہی تھی۔ اور ادھر منصف مجسٹریٹ صاحب گھر سے دور
ہے حجرے میں اپنی سوانح حیات لکھنے میں مصروف تھے۔ ادھر گوری بیگم اپنے عملیات میں مصروف۔
میں سعید صاحب کے حجرے میں سفید مرغی کو بٹھا کر انڈے دلا رہی تھی اور مرغی گم ہو جانے کا شور
رگھڑنے پچوں کو حملہ میں پھرا رہی تھی۔ آخر سفید مرغی خود گوری بیگم نے سعید کے حجرے سے
آمدن اور مرغی اور انڈا لئے خوشی خوشی اپنی مومانی کو دکھایا اور کہنے لگی مبارک یہ مرغی اور انڈا
ر (سعید کی تعریف) کے کمرے سے برآمد ہوئے ہیں آپ کو بہت جلد بہر آئے گی اور آپ بہت جلد
ی بن جائیں گی۔ مومانی نے دکھانے کو تو آمین کہہ دیا مگر وہ داری بننے کے پہلے اپنے تمام بیٹوں کے
بن کی نانی بننے پر غور کر رہی تھی۔ مومانی یہ نہ سمجھ سکی کہ گوری بیگم عالموں کے بتلائے طریقوں اور غلیا
بل کر رہی ہے اور سعید کے کپڑے بھی اس کے حجرے سے بغرض عملیات لے لئے ہیں۔

(۴) مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا

(علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کے دل و دماغ پر ضرب کاری

اب منصف مجسٹریٹ صاحب کے زہن
کے عشق کے جنون نے اپنا سر اس قدر بلند
کو بھی نظر آنے لگا۔ اب عاشق کی آہیں آ

ہوئیں کہ ماں اور باپ کو بھی سنائی دینے لگیں۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کی کمر ٹوٹ گئی۔ اب ان کو
صاحبزادے بلند اقبال نے شنائیر یوزرستی سے گرجویشین کی ڈگری لیتے ہی عشق و عاشقی کی
میں بغرض پی ایچ ڈی داخلہ لے لیا ہے۔ اب تک صرف ایک بیٹی کی شادی کر پائے تھے
بھی عذاب بن کر سر پر سوار تھی۔ ابھی چار بیٹیاں شادی کے لئے ملاوس دانا امید بھیٹیں پڑے۔
کھانے کا انتظار کر رہی تھیں۔ چار لڑکے زیر تعلیم اور بڑے بھائی کو باپ کی جگہ سمجھ رہے تھے۔ ان
کی سسلی۔ ماں باپ کی امیدوں کے سہارے بہنوں اور بھائیوں کی امیدوں کے مرکز اب حکم مالک
عطیات میں بغض خدا ذکر بھی ہو چکے۔ گلاب دریائے اپنا رخ منظم پورہ جینا کے حملہ کی طرف
منصف مجسٹریٹ صاحب نے آہ سرد بھری اور بیٹے کا تصور کئے کچھا۔

مجھے آہ و نغانِ نیم شب کا پھوپھو بام آیا
تھم اے رہرو کر شایہ پھر کئی شکل

اب تک شہر پر کی غیبتیں کرتے کرتے عاری ہو
ماں نے جب زہن کو عاشق کے پر لگا کر اڑتے دے
تمام خواب بچنا چور ایک شیشہ کے لعل کی طرح ہو
سے آنسو رواں اور اب زہن کلاں کی ہر ایک

اب زہن کلاں کی غیبتوں کا آغاز

سلسلہ بجائے چارہ جوئی کرنے کے شروع ہوا۔ ”آہ۔ کیا امیدوں سے پالا تھا۔ کسم
ہوں نہ ہوں عید کو ٹوئید کی شیروائی بنانے کے بجائے معمولی شیروائی بنانے پر کہتا تھا ہم عید ہم
سب بچوں کا حق مار کے اس کو اس کے حسب دلخواہ کپڑے بٹائے جاتے رہے اور تعلیم پر
روپیہ بہایا جاتا رہا۔ ذکر ہونے کے بعد ماں کو ایک ساڑھی بھی نصیب اب تک نہ ہو
کے لئے اب تک کچھ کیا۔ چھوٹے بھائی بہنوں کی نظروں میں بڑے بھائی کی عزت
منصف مجسٹریٹ صاحب اپنی اہلیہ کی آنکھوں سے گنگا جنا پتے دیکھ کر آپے سے باہر
کہتے اس بد بخت کی جہنم پتری میں نکلا تھا بہ سپرت نہیں کیوت ہو گا ذاتی کیوت نہ
اپنی چال نہ بدلی تو ایک دن عاق کر دوں گا۔

علم نجوم | منصف مجسٹریٹ صاحب علم نجوم جسے مذہب میں منع کیا گیا

قائل تھے اپنی جہنم پتری بھی ان کے پاس تھی اور بیٹے کا جہنم پتری دیکھ کر برہم ہوتے جا رہے تھے۔ ان ساروں پر پھر دوسرے کرنے کے تعلق سے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی بھر دے گا ؛ وہ خود فراختر افلاک میں ہے خوار و ذلیل
ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے ؛ کہ خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں
نہ ستارے کا گردش نہ بازی افلاک ؛ خودی کی موت ہے تیرا زوال و لغت و جاہ

(۵) عشق پہ بجلی حلال عشق پر حامل حرام (علامہ اقبالؒ)

اب سعید میاں عاشقی کی زمین پر بے تحاشہ بھاگ
نہیں رہے تھے بلکہ آسمانِ عشق پر اپنی لپری قوت

سعید میاں کا میدان عاشقی

سے پرواز میں مصروف تھے۔ بقول حفیظ جالندھری حال یہ تھا کہ۔

جوانی آگئی عشق آگیا بیچارگی آئی ؛ نئی وارفتگی آئی۔ نئی آوارگی آئی
لباسِ حسن میں شیطان کی پرچوائیاں آئیں ؛ مذاقِ عاشقی بن کر اب رسوائیاں دھڑیں
پری بن کر بلا آئی اڑا کر لے چلی اسکو ؛ سرِ بازار رسوائی اٹھا کر لے چلی اسکو
پرانی وحشت اچھل تازہ معنوں ہو گیا پیدا ؛ سوادِ بخد میں اک اور مجنوں ہو گیا پیدا
یہ مشت خاک تھی گویا بگولہ جوشِ دستی کا ؛ ہوس تھی اور وہ تھا از بھر جلاؤں پرستی کا

سعید میاں حفیظ جالندھری اور غالب کے اشعار ہی کے مصداق بنے ہوئے تھے کہ

ہر در الہوس نے حسن پرستی ہے شاعر کا ؛ اب آبرو سے شیوہ اہل نظر گئی کہ

اور علامہ اقبال کا مبنی یہ حقیقت فلسفہ عشق اس کی عقل سے یا تو بالا تھا یا پھر وہ عشق کے مقامِ اعلیٰ کو سمجھنے سے قاصر تھے اور علم کی دنیا میں رہ کر عشق کو سمجھنا چاہتے تھے۔

عشق پہ بجلی حلال عشق پر حامل حرام ؛ علم ہے ابنِ الکتاب عشق ہے ام الکتاب
شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزلِ حرام ؛ شرعِ طوفانِ مہلا لذتِ سحرِ حرام
عشق سکونِ دہشتِ عشقِ سیادت ؛ علم ہے پیدا مہالِ عشق ہے پنہاںِ حرام
عشق کی تیغِ جگر زار اڑائی کس نے ؛ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیامِ لے ساقی
اک جنوں ہے کہ با شور بھی ہے ؛ اک جنوں ہے کہ با شور نہیں

یہ براہِ ہوس عاشق، بھائی بہن کی محبت سے بے خبر اور مالِ باپ کی محبت سے نا آشنا ذریعہ منصفی سے

غافلِ حال اور باپ بھائی اور بہن کی محبت کی دنیا کو اپنے لئے بقول حضرت اقبال بہشت نہ سمجھ سکا
یہ آدابِ فرزندگی سے غافل بقول شاعر شرقیہ

یہیں بہشت بھی ہے خوردِ جبریل بھی ہے ؛ تری نگ میں ابھی شرخیِ نظارہ نہیں
یہ فیضانِ نظر تھا یا مکتبِ کرامت تھا ؛ سکھائے کس نے اسمعیل کی آدابِ فرزندگی

(۶۱) کہ دورِ شبی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب بیٹے پر خفا ہو کر آہ دیکھا اور
عالموں کے گھر کے چکر | بد دعائیں دینے میں مصروف تھے اور ان کی اہلیہ محترمہ بیٹے
کی غیبتوں اور گنگناہٹوں میں مصروف تھیں۔ دخترِ کھلاں مفدی بیگم جو بعدِ شادی جادو کرنے
اور کر دانے میں ماہر ہو کر عالموں کے گھر کو کعبہ سمجھ کر (نعرۃ اللہ) ان کے گھر کے طواف کرنے میں ماہر
ہو چکی تھیں۔ سمجھایا یہ رونے آہ دیکھا کرنے کا وقت نہیں فوری جادو و کرامت کے اثرات کو فائز
کرنے عامل کے پاس جانے کا وقت ہے دیوانے بابا کی بڑی شہرت ہے جو سکندر آباد کے کٹہ کے
پاس رہتے ہیں۔

اب منصف مجسٹریٹ صاحب گھر سے سات میل کا فاصلہ طے کر کے اہلیہ کو لئے جاتے اور
سات میل کا فاصلہ طے کر کے اس عالمِ ضعیفی میں آتے۔ دیوانے بابا نے جس قدر اپنا جیب گرم کرنا
تھا کر لیا۔ پھر حضراتِ نگوائی اور کہا فلاں مقام پر گزرتی گئی ہے، نکالنا اور اس کے اثرات کو
ضائع کرنا ہوگا اور فرمایا اس قدر اخراجات دیکار ہونگے۔ قسمت کے مارے ضعیف والدین کرتے
تو کیا کرتے؟ جو کہا حاضر کیا۔ دیوانے بابا نے معقول رقم لیکر ایک ایک مقام پر انہیں عجا کر
ایک جگہ کھودی اور ایک پتلا جس پر لیمو اور ببول کے کاسٹے لگے ساتھ میں لیمو اور کھانا نکالا
پتلے کو سیدیاں کی پین پہنائی تھی جس کی تصدیق ماں باپ نے کی۔ اب دیوانے بابا نے کچھ چیزیں
دیں کہ یہ چائے میں، یہ کھانے میں ملا کر آپ کے صبرِ آزادے کو کھلا دودھ جینا سے نفرت
کرنے لگے گا۔ اور آپ کا ہوجائے گا۔ دیوانے بابا کی کرامت دیکھ کر منصف مجسٹریٹ صاحب
اور ان کی اہلیہ محیرت ہو کر رہ گئے۔

ایک دن پتہ چلا کہ یہ ”دیوانے بابا“ نہیں بلکہ ”بڑے سیانے بابا“ تھے گوری بیگم
سے روپیہ لیکر سفید مرغی سے انڈا دلو کر سید کا جسم کا کپڑا منگو کر پتلا گوری بیگم کے سامنے

کے ایک جیب گرم کر دیا تھا اور عاشق کے عشق کو تیز کر دیا پھر منصف مجسٹریٹ صاحب پیسہ لیکر دوسرا جیب گرم کرنے اس پتلا کو نکالا اور عاشق کے عشق کو مدہم کر دیا۔ اگلے نیاں زما تے ہیں۔

تھکادنا یہ ترے سادہ دل بندے کدھر جائیگا ؟ کر دوشی بھی عیاری ہے سلطان بھی عیاری
آج کل زوال پذیر مسلمان قوم اور خصوصاً عورتیں عاملوں اور مرشدوں کے گھر کو کعبہ سمجھ کر ان کے گھانے میں مصروف ہیں۔ کوئی جادو کرتا ہے کوئی دغ کرتا ہے۔ مرد پر خفا ہوئے عامل
مرد پر خفا ہوئے عامل، ملازمت کے لئے عامل، ترقی کے لئے عامل، بہر ساس پر خفا ہوئے عامل
مرد پر خفا ہوئے عامل، زوال پذیر قوم کا روپیہ اس طرح برباد ہوتا ہے۔ قرآن مجید
بجھتی میں اللہ پاک فرماتے ہیں جادو گندے کرنے والی عورتوں، شر اور حد کرنے والی
سے اللہ کی پناہ مانگو۔

(۷) وہ فرائض کا نسل نام ہے جس کا حیات (خلا اقبال)

ہمسک کے سن شعور کو پہنچنے کے ساتھ ہی اس کی پیدائش کے مقصد کا آغاز ہوتا ہے اور
جو قسم کے فرائض و ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اللہ پاک کے حقوق ادا کرنا حقوق العباد یعنی
بندوں کے حقوق ادا کرنا۔ اللہ پاک کے حقوق اگر بندہ ادا نہ کرے اور شرمندہ ہو کر اشک
اتحہ چاہے تو رحیم و کریم غفور ذاتِ مہربانہ کو معاف کر دیگی لیکن بندہ کے حقوق ادا نہ کئے اور
کلیف دی تو اللہ پاک قدرتِ دالہ ہوتے ہوئے فرماتے ہیں ”میں معاف نہیں کر سکتا
حق ادا نہ کیا گیا ہے وہ ہی معاف کرے“ گویا یہ اللہ پاک کا انصاف ہوا۔

سعید کو ماں باپ نے پڑھایا جو ان کا جب ماں باپ بھائی بہن کے حقوق ادا کرنے کا وقت
ہوے حسد بلکہ بے حیائی کا برقعہ پہن کر اپنے نفس ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا اور فرائض کو یکلفت نظر انداز
ماں باپ کے دل و دماغ پر یہ ضرب کاری تھی اب انہوں نے سوچا کہ خدا ہی ہمت کر کے
چار بیٹوں میں سے دو بیٹوں کو اٹھا دینا چاہیے۔

منصف مجسٹریٹ صاحب کو ہر چیز کو زد وخت کرنے کی عادت تھی اہلہ سوم کے زبردست
ایک کر کے زد وخت کر دئے تھے اگر وہ دیکھتے تو پانچ بیٹوں کی شادی کے لئے کفالت
۔۔۔ دو مکانات سفالی تھے وہ بھی ڈھائی ہزار میں زد وخت کر کے رقم ٹپہ خانہ میں رکھادی تھی

اور آہستہ آہستہ آسمان سے لیتے رہے تھے کہ دیر نہ ہزار رقم رہ گئی۔ اچھے سو م پریشان ہوئے اپنے ایک رشتہ کے بھائی کو کہہ کر ایک مکان اس رقم سے محلہ خلوت میں لے لیا تھا۔ اب دو بیٹوں کی شادی کرنے کا تصفیہ کر لیا تو اس مکان کو اپنی بہن صغرا کو جو بیوہ ہونے کے بعد سے وہیں مقیم تھیں اسی رقم کا بندہ ہو میں فروخت کر ڈالا۔ اب سوال تھا نسبتوں کا۔ جیسا کہ اس سے قبل کہا جا چکا ہے منصف مجسٹریٹ صاحب کی امیر دوم کا ایک لڑکا سید میاں اور باپ کے انتقال کے بعد منصف مجسٹریٹ صاحب کے زیر پرورش رہ کر یہیں مقیم تھا۔ عزیز اقارب تھے نہ اعزاء و اقرباء اور سید کا ہم عمر تھا اور دوست بھی ایک ساتھ رہتے ایک ہی حجرے میں بیروں کے منصف مجسٹریٹ کے پورا رہے تھے۔ سید نے فوراً ہمشیرہ سوم انوری کے لئے سید میاں کا نام پیش کر دیا۔ سید میاں کو تو سہارا درکار ہی تھا اب دختر دوم کے لئے سید میاں نے ایک نام مجرب علی کا پیش کیا جہاں ہی کی طرح تھے مگر یہ صاحب میٹرک تھے اور یہ بی اے پاس کر کے بم لے میں دینیات اور فلسفہ کلام لیکر پڑھ رہے تھے۔ خاندانی اعتبار سے بس اللہ ہی اللہ کا نام تھا۔ محروب علی کی ماں نے محبوب علی کے باپ سے طلاق لیکر اپنے ایک رشتہ کے بھائی محمد یوسف مقلودار سے نکاح کر لیا تھا محمد یوسف سے ایک بیٹا غیاث پیدا ہوا جو محبوب علی کا خیف یعنی اختیاتی بھائی تھا۔ محروب علی اپنی ماں کے ساتھ گویا بطور جہیز محمد یوسف کے پاس آگئے تھے اور محمد یوسف کے زیر پرورش تھے۔ عدالت دارالقضاء میں سابق مشہر احمد علی نے محبوب علی کی ماں کو بدلچن ثابت کیا تھا۔ پھر محبوب علی کی ماں سر جلنے پر محمد یوسف نے کریم بی اے ایک عورت کو یا تو رکھ لیا تھا یا نکاح کر لیا تھا جو ایک سیاہ نام زسلم دھیرنی تھی ہاتھوں اور پیشانی پر تک گونڈہ تھا بلحاظ مذہب زسلم کا مقام ادبچا سہی لیکن سماج میں زسلم کا مقام ہی کیا۔؟ خصوصاً جبکہ وہ سیاہ نام گونڈہ والی ہو۔ اب اسی عورت کو منصف مجسٹریٹ صاحب کی ممدن بن کر آتا اور ان کی دختر دوم احمدی کو لیجا تا تھا۔ پھر محبوب علی کو بابا شرف الدین کی درگاہ میں بیٹھ کر دلائل و عملیات پڑھنے کا شوق تھا دوسرے پڑھ پڑھ کر دیر نہ بھی ہوئے تھے۔ محبوب علی ہو کر سید میاں دونوں زیر دنگار تھے۔ محبوب علی کو مویوی کے محمد یوسف کو پالنا تھا اور سید میاں کو تو منصف مجسٹریٹ صاحب پرورش کر رہے تھے اور ان کی بیوی کو بھی بعد شادی اسی طرح سنبھالنا تھا کہ گویا شادی کر کے دی ہی نہیں اور بچے ہونے کے بعد بچوں کو بھی۔ یہ دونوں اس معیار پر نہ تھے کہ ان کی بیٹیاں دی جاتی مگر بقول علامہ اقبال۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ؛ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

منصف مجسٹریٹ صاحب فرزند کلاں سے یلوں ہونے کے بعد اب مجبور ہو گئے تھے ان کی اہلیہ سوم نے کھجیا کر

کر رکھنے سے بہتر ہے کہ دوا لڑکیاں درزن کو بے دی جائیں عذاب ہوگا تو بھائی کو ہوگا جو عاشقی کر کے ماں بھائی بہن کو بھول گیا ہے۔ بہر حال درزن بیٹوں کی شادی کر دی تھی سید میاں تو گھر کے حالات سے نہ تھے وہ تو سمجھے ایک وسیلہ مل گیا مگر محبوب علی نے گڑبڑ بچادی کہ ایک منصف کے گھر سے کچھ نہ ملا۔ وہ خسر بر چل یعنی برطانیہ کے وزیر اعظم کے نام سے پکارتے تھے یعنی بہ معنی مکار۔ یہی محبوب علی اور سید میاں نے بعد ال منصف مجسٹریٹ صاحب ان کی لولہ کو ریاانی اعتبار سے تباہ کر کے شریا طہان کی بوجا میں لگا دیا۔

منصف مجسٹریٹ صاحب سے ہر ایک پوچھتا آپ نے اپنا بیٹی کیوں محبوب علی کو دی وہ تو آپ کے خاندان لائق نہیں تو منصف مجسٹریٹ صاحب ایک کدہ سر دیکھتی تھے اور علامہ اقبال کی زبان بن کر کہتے "آنسو اب خود ہی نک ہو گئے۔ جب سمجھ میں آیا کہ

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے پردہ مجھوری و بے چارگی تدریر ہے
آسمان مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں انجمن سیاب پارفتار پر مجبور ہیں
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجھوری عیاں خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل روپ

(۸) زمیں کیا آسماں بھی تری کج مینی پہ روتا ہے (اقبال)

سعید صاحب کی شادی

سعید نے دو بہنوں کو اچھے گھرانے میں دینے کے سلسلے میں تو کچھ نہ کیا۔ درزن کو قربانی کے بکرے سمجھ کر اپنے مستقبل پر قربان کر دیا۔ ابھی دو بہنوں کی شادی اور چار بھائیوں کی تعلیم جاری تھی۔ کم از کم ایک بہن کو بھی اپنا کماؤ سے اٹھانے کا کوشش نہیں کی۔ حاجز اسے بلند بل پھر آہیں بھرنے اور اڑنے کے لئے پر تولنے لگے۔ ماں باپ پریشان ہونے لگے کہ پھر کہیں جینا کرینے اسہارا نہ بنالے۔ دوسری اولاد کو خدا پر چھوڑ کر سے فرزند کا شادی کی فکر میں لگ گئے کہ پھر یہ نئی فرزند شیطان کے بہکانے پر گندم نہ کھالیں۔ اس وقت منصف مجسٹریٹ صاحب (۷۲) کی عمر کو پانچ چھ تھے رعشہ اور کمزوری اپنی انتہا پر تھی۔ کوئی ذاتی مکان نہیں، ادائی ذمہ داریوں کے لئے کوئی اسباب نہیں۔ فرزند اکبر پر نظریں جمائی رکھی تھیں تو فرزند اکبر "جان میں جان میری جان" کے متولہ پر عمل کر رہے تھے۔ آخر مجبور ہر کر نسبتیں دیکھیں، ایک ٹاکٹر کی لڑکی کو بیاہ کر لے آئے جو خود سعید کے لئے ایک زشتہ صفت بیوی اور اس خسر کے لئے ایک اپنی بیٹی ثابت ہوئی۔ سعید نے اس بیوی کی کیا قدر کی وہ تو بعد میں اسے بگا۔

ماں باپ کے حقوق جو اردو سے قرآن اور احادیث تھے سب پر چلیا کر دیا۔ خاندان والے سعید کا نام آتا تو علامہ کے یہ اشعار پڑھتے۔

زمین کیا اکساں بھی تری کج بینی پر روتا ہے : غضب ہے سطر قرآن کو چلیا کر داتونے
فدا کر تا دماغ دل کو حسینوں کی اداؤں پر : مگر دیکھی نہ اس آئینہ میں اپنی اداؤں نے

(۹) نظر آتے نہیں بے پردہ حقایق ان کو

(علامہ اقبال)

سعید کی شادی منصف مجسٹریٹ صاحب کے داماد محبوب علی کے لئے ایک ماتم اور توازن دماغ کے بگڑنے کا سبب بن گئی۔ شادی ہو کر ایک سال سے ادنیٰ عرصہ گزر چکا تھا وہ اپنے سسرال کے حالات دیکھ چکے تھے۔ لیکن ہوس نے

داماد محبوب علی نے

خسر اور ساس کو سزا دی

انہیں سمجھنے سے باز رکھا تھا۔ انہوں نے میری سے کہا۔ میں ایم اے ہو گیا ہوں مجھے یہم جہیز ملے اور تادہ بادشاہ (سعید کی عرفیت) بی اے کو اس قدر جہیز ملے اور اس قدر شاد شادی ہو۔ جب ایک ڈاکٹر اس معیار کی شادی کر سکتا ہے تو منصف مجسٹریٹ کیوں نہیں کر سکتا؟ یہ میری قی میں ہے فیصلہ صادر ہوا کہ تمہارے ماں اور باپ تمہاری صورت قیامت تک نہیں دیکھ سکتے جب تک وہ اپنی غلطی کی تلافی نہ کریں۔ ایک ہی گلی میں سو قدم کے فاصلہ پر رہتے ہوئے بیٹی ماں باپ کی صورت دیکھنے سے محروم اور ماں باپ جہیز برائے نام دینے کا سزا میں بیٹی کی صورت دیکھنے ترس گئے۔ چھ ماہ تک یہ سزا برقرار رہی۔ جب داماد کو معلوم ہوا کہ جہیز میں اب اضافہ ہونے کی توقع نہیں تو سزا میں نرمی کر دی مگر فیصلہ میں ترمیم ہوئی کہ کہیں کھار ملنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ سب ہوس کی غلامی کا نتیجہ تھا۔ علامہ اقبال اسلئے فرماتے ہیں۔

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو

آنکھ جن کی ہوئی محکمی و تغلبہ سے کور

بھر دے کہ نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر

کہ دنیا میں نقطہ مردانہ حرکت کی آنکھ ہے بیتا

باب دہم

(علامہ اقبال)

(۱) حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی

منصف مجسٹریٹ صاحب پر
ایک اور ضرب کاری

مقام حیرت ہے کہ بدرو بیگم کی حافظہ سے علمدگی دیگر
عناہ بکسرہ کے اثرات پے درپے منصف مجسٹریٹ صاحب
کو زندگی کے آخری دور تک اٹھانے پڑے تھے۔ ایک

میسیت سے نجات بھی نہ ملتی تھی کہ دوسری آفت کا سامنا تھا۔ بادشاہ محمد الدین اہلیہ سرم کا خالہ زاد بھائی تھا۔
بہ بد معاش اور آوارہ ہو کر حیدرآباد سے مدراس بھاگ کر برسوں ہو چکے۔ اس بد معاش اور آوارگی کی یاد خاندان
والوں کے ذہن سے بھی نکلی گئی تھی۔ بس نے اردو منشی کامیاب کیا اور محمدن کالج مدراس میں بحیثیت یچور اور
پڑھانے نوکر پر گیا۔ جہاں اردو پڑانے نام رائج تھی مگر یہ اندھوں میں کامیاب بنا دیا اور وہ کی جائیداد پر قبضہ
کیا ہوا تھا۔ یہاں مدراس میں بھی اس کی آوارگی جاری تھی چالیس سال کا ہر چکا تھا شادی نہیں کی۔ عیاشی
کو شیرہ زندگی بنایا ہوا زنا کاری کی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد مدراس میں
اسے حیدرآباد کے عزیز و اقارب یاد آئے۔ کپڑے پہننے کا شائق و شوقین تھا اس قدر کثرت سے
کپڑے بنا رکھے تھے کہ رئیس زادہ معلوم ہوتا تھا۔ اب یہ رئیس زادے کے اناڑ لے انگریزی و منٹائی
ملبرسات کی ایک دوکان ساتھ لے اپنی خالہ زاد بہن اور حقیقی ماموں امیر بادشاہ جو دفتر پیشی حضور نظام
میں نوکر تھے آدھکا اور کالج کے تعطیلات یہیں گزارے۔ سب رشتہ داروں کو اپنے ملبرسات اور طرز
زندگی کا جھوٹا ٹھٹھ دکھا دیا گیا اس کے بعد اس نے ہر سال آنے کا دستور بنالیا اور منصف مجسٹریٹ
کی دختر سرم کو اپنی بیٹی سمجھا کر اس کو ہدایت کی کہ وہ اسے "بابا" پکارا کرے، چنانچہ اسے بابا پکارتی
اور بابا کے القاب سے خطوط لکھتی۔ ایک سال وہ جبکہ چالیس سال کا ہو چکا تھا۔ ایک عورت
بدروانی جو بڑی چالو اور عیاش معلوم ہوتی اور بھرے ذات کی تھی لے آیا اور کہا کہ وہ اس کا دوسرا
شر ہے پہلے شہر کی ایک بارہ سالہ بھی ساتھ تھی، یہ غضب کی چال معلوم ہوتی تھی دن تمام اور رات
سوئے تک سگریٹ ہاتھ میں رہتا۔ کوئی فلم دیکھے بغیر چین نہ آتا۔ حیدرآباد میں تو بادشاہ محمد الدین
کا اس معشوق نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا مگر مدراس کے کلب میں اس کی حالت اور آزادی بے ہنگام

کا حال یہ تھا بقول حضرت اقبالؒ

ہنگامہ رہے دین سے اگر دہ رن : ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنرموت
اُنت کبھی یکایک نہیں آتی، آنے سے قبل کئی اشارے دیتی ہے۔ مگر انہوں نے نہ منصف محبِ مروت
صاحب نے ایسے بلکہ دوا سے لے کر گھر میں آنے سے رکھا اور نہ انکی اہلیہ سویم اسکی سابقہ زندگی سے واقف رہتے
ہوئے سے گھر میں آنے سے منع کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن ایک سو راسخ سے دوبارہ
داخل نہیں ہوتا۔ یعنی ایک مرتبہ دھوکہ کھانے کے بعد پھر دھوکہ نہیں کھاتا۔

جب دوسرے سال وہ آیا تو اس نے کہا کہ اس نے اس عورت کو چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ ۲۵ سال
کا ہو چکا تھا۔ اب کی بار وہ اگر دوا ہا بہن کے پاس رہا پھر بازو کے مسکان میں اپنے حقیقی ماموں کے
گھر میں رہنے لگا۔ جلنے کا پتہ نہ تھا ہر ماہ رخصت پر رخصت کی درخواست روانہ کیا کرتا رہی۔ بعد ازاں
وہ ماموں کے گھر سے بہن کے گھر آتا تھوڑی دیر بہن سے باتیں کرتا پھر کہتا ہماری بیٹی تو اپنے حجرے
میں ہوگی ذرا دیکھ آتے ہیں گیارہ بجے سے چار بجے تک دونوں کمرے میں تنہا رہتے اب سید میاں ذکر
ہو چکے تھے دفتر چلے جاتے تھے۔ منصف محبِ مروت صاحب کا اہلیہ سویم کی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے وہ اس قدر
بچے جنم دینے کے بعد بادشاہ محی الدین کی آواز لگ سے واقف ہو کر بھی سمجھتی تھی کہ وہ دونوں باپ بیٹی ہیں حالانکہ
منہ بولے رشتہ دار مشن لینے کو اسلام نے منع کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از نبوت زیدؓ
غلام کو اپنا بیٹا قرار دیا۔ اور بعد طلوع آفتاب رسالت اپنی بیوی زانہ بہن زینبؓ کا نکاح زید سے کر دیا
مگر نہاد نہ ہو سکا آخر طلاق ہو گئی۔ زینبؓ سے آپؐ نے نکاح فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا وہ تو آپؐ کے بیٹے
کی بیوی تھی آپؐ نے فرمایا منہ بولے رشتے حقیقی نہیں ہوتے۔ اس کے بعد مشن لینے ہی کو اسلام نے ناجائز
قرار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے
(سوائے ذی محرم کے) (مسلم)

حضرت عمرؓ تو اس قدر احتیاط فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آپؐ گھر کے باہر ٹہل رہے تھے کسی نے
پوچھا یا امیر المومنین! آپؐ اتنی رات کو باہر ٹہل رہے ہیں۔ جواب دیا بیوی ہمسایہ میں زچگی کرنے
گئی ہے۔ گھر میں جوان بیٹی تنہا ہے اسلئے باہر ٹہل رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ کی حالت یہ تھی جبکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ کے بارے میں فرمایا "عمرؓ کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے۔"

عرض بادشاہ محی الدین اور اندی کے تہاؤں تمام رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اندی اپنے شوہر سید میاں
سے نفرت کرنے لگی اب وہ باپ کو خطوط لکھتی یا خود لیجا کر دیتی یا ذکر کے ہاتھ سے باپ کو بھیجتی۔

ہر خط میں شہرہ کی شکایت اور شہرہ سے علحدگی کا مطالبہ حتیٰ کہ اس الزلیلہ کے جو واقعی انوکھی بیگم تھی دو بچے شہرہ سے جنم دینے اور اب حاملہ رہنے کے باوجود شہرہ پر نامردی کا الزام عاید کیا اور باپ کو لکھا کہ وہ شیر کی چربی غصہٴ تناسل پر استعمال کر کے عارضی مرد بننا ہے۔ تحریر صرف اسکی نظر آتی اور مسودہ کسی پختہ کار کا۔ منصف مجسٹریٹ صاحب بلحاظ عمر ترازن دماغ کھو بیٹھے۔ ان کی اہلیہ نے بڑے عاجزانہ کے لعلی عاتلوں کے گھر پھرنا سیکھ لیا تھا۔ اب وہ اس مسئلہ کا حل عامل کے ذریعہ حل کرنے لگیں تھیں، بہن کو گھر میں نہ دیکھ کر بادشاہ محمد الدین منصف مجسٹریٹ کے حجرے میں داخل ہوا اور منصف مجسٹریٹ صاحب کے کالوں میں ایسا زہر سیدیاں کے خلاف گھولا اور یقین دلایا کہ اگر علحدگی نہ ہو تو چند یوم سے زیادہ الزلی زندہ نہ رہے گی۔ منصف مجسٹریٹ صاحب نے کہا ہاں اس نے بھی خط میں ایسا ہی لکھا ہے وہ اس نکار کی باتوں سے متفق ہوتے گئے۔ جیلان نے دلوں کی گھٹنگو چھپ کر سنی تھی اور ماں کے آتے ہی ایک ایک لفظ سنایا۔ اب ماں کا پارہ چڑھ گیا۔ بادشاہ محمد الدین کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور پھر شہرہ پر ایسے بم برسائے کہ ان کے حواس ملتے رہے اور کہا کہ میں تمہاری مرضی بغیر کوئی کام کروں گی کیسے؟ منصف مجسٹریٹ صاحب کو رجاڑا چڑھ گیا اور بخار آ گیا۔ بادشاہ محمد الدین نے جب یہ ہنگامے دیکھے تو جمع ہی صبح ماموں کے گھر سے دھاکس زار ہو گیا۔ بادشاہ محمد الدین کے جانے کے ایک منہ کے اندر انوری اور سیدیاں مل گئے مگر اب وہ باہر کے حجرے میں نہیں بلکہ گھر کے اندر کے حجرے میں رہنے لگے۔ خاندان میں اس واقعہ کا ایک بھل تھی۔ محبوب علی کا ایک ایک سے ہی کہنا تھا کہ اس نے گناہ خط لکھ کر بادشاہ محمد الدین کو جھگایا ہے، انوری کی والدہ کو عاتلوں کی قوت کا یہ کرشمہ نظر آیا۔ حقیقت خدا جانے، محبوب علی کو ایک اچھا موقعہ ہاتھ آیا تھا، اس واقعہ کو ہر جگہ بیان کرتا بلکہ رنگ دے دے کر اس کے جھگانے میں اپنا ہاتھ ظاہر کرتا۔ اب محبوب علی جب سسرال آتا انوری کو گور کر دیکھتا اور پان ملگنے پر انوری پان دیتی تو انگلی پکڑ لیتا۔ انوری اور سیدیاں محبوب علی سے گھبرا گئے تھے۔ خاموش رہتے اور جیلانی سے کہتے محبوب علی کہینہ ہے بدنیت ہے۔ آنسو نہ انوری گوشہ ہوتی نہ سید صاحب میں ہمت تھی کہ محبوب علی سے گوشہ کروا تا، 'دو تر سیدیاں منصف مجسٹریٹ صاحب کے پزوردہ تھے اور صاحب خاندان نہیں لاوارث تھے اگر صاحب خاندان ہوتے تو انوری کو قبل ہی نہیں کرتے۔ بادشاہ محمد الدین چند سال کے بعد حیدر آباد پھر ماموں کے گھر میں آنے لگا وہ بہن کے گھر میں تراب رہتا نہ تھا مگر آنسو اسے تھوڑے سال کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے آنے دیا گیا۔ اب انوری اس سے ملتی نہ تھی نہ بابا پکارتا تھی۔ کہیں غائبانہ میں ضرورت پر ماموں بادشاہ کے نام سے کہہ دیا کرتی۔ درحقیقت وہ اس سے نفرت کرنے لگی تھی مگر اسے گھر

میں آنے دینا ایک زوال پذیر قوم کی خودی کو ظاہر کرتا تھا جس قوم کو زوال آتا ہے اس کی خودی اس کے دل میں باقی نہیں رہتی بقول حکیم الامت

خودی کا نشین ترے دل میں ہے ؛ فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے
ہو اگر خود نگر خود گرد خود گیر خودی ؛ یہ بھی ممکن ہے کہ قوم سے بھی مر نہ سکے

زوال پذیر قوم جو زندگی بھی میں مر چکی ہوتی ہے اس کے دل میں خودی کہاں اور خودی اس کی خود نگر اور خود گرد خود گیر کیسے؟ چند سال کے بعد بادشاہ حمی الدین اس حال میں ماموں کے گھر آیا کہ فالج کے اثر سے اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں گر گیا تھا۔ یہ قدرت کی بڑی عبرتناک سزا تھی وہ دکھانے لگوا آیا تھا وہ قویہ چاہتا تھا کہ یہاں اس کی خدمت کی جائے گی مگر اس کی مومانی نے اسکو ٹرین میں بٹھا کر مدد اس روانہ کر دیا ایک عرصہ کے بعد اطلاع آئی کہ وہ اپنے وجود سے دنیا کو پاک کر گیا ہے۔

جب کبھی بادشاہ حمی الدین اندازہ کی داتہ کا منصف مجسٹریٹ صاحب کے سامنے ذکر آتا تو علامہ اقبال کا زبان بن کر ہر ادلہ کے لئے دعا کرتے۔

ہوئے نہ زارغ میں پیدا بلند پروازی ؛ خراب کر گئی شامیں بچے کو بخت زارغ!
حیا نہیں ہے دل نہ کی آنکھ میں باقی ؛ خدا کرے جوانی تری رہے بے داغ

(۲) یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو (علامہ اقبال)

سید کی خود غرضیوں کا فوارہ آسمان کی بلندیوں کو بھی احساسِ پستی دے رہا تھا۔ تھوڑے گریڈ سے پیش کاری کی خدمت پر جا چکے تھے پھر نائب تحصیلدار ہوئے۔ - درکاروں اور ایک لڑکے کے باپ بن گئے مگر بہنوں کو بہن سمجھنا نہ بھائیوں کو بھائی۔ اپنی سستی و خود غرضی میں مگن۔ نہ باپ کی اگنی صحت کا خیال نہ دنیا سے باپ کے ضعف ہونے کے نمایاں آثار نظر آتے پر کوئی احساس نہ مال کی بے بسی پر رحم آیا ان کے بڑا دردم
اٹھارہ سالہ جیلانی کے دل میں احساسِ درد و کرب اپنی آسپا پر پڑ چکا تھا۔ اس نے باپ کا اعصابی پیری ثابت ہونے، ماں کے درد کا درماں بننے، بہنوں کی شادی اور بھائیوں کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اس کا خیال کر لیا اور مزید تعلیم کا خیال ترک کر کے ملازمت اختیار کر لی، اب اس کی زندگی کا مقصد اور خیالات کا مرکز خاندان ہو کر رہ گیا۔ اس نے بڑے بھائی پر بھروسہ کرنا قطعی چھوڑ دیا اور علامہ اقبال کے اس شعر کو شعل براہ بنالیا۔

پھر اگرتے نہیں مجروح فکر درماں میں

یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

(۳) الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن (علامہ اقبال)

جیلانی ذکر ہو کر اپنی بڑی بہن اصغری کی شادی کی تیاری میں منہمک تھا کہ ایک نیا حادثہ ظہور پذیر ہوا۔ اس کا بھائی ۳۰ اکبر جو مفید الانام میں پڑھتا تھا اس مدرسہ کے ایک استاد تھے خرماب جو گھر پر علاوہ اوقات مدرسہ محکم کیا کرتے تھے منصف مجسٹریٹ صاحب ان کے زیر علاج تھے ایک دن چار بجے منصف مجسٹریٹ صاحب نے اکبر کو اپنی کیفیت کہہ کر خرماب کے ہاں سے دلائے کہا۔ خرماب صاحب دے رہے تھے کہ اکبر ان سے کہا مولوی صاحب مجھے تسلی معلوم ہو رہی ہے اس کا منشاء تھا کہ کوئی اچھا چورن یا مجرم کھانے کو ملے گا۔ خرماب نے اپنی بیٹی کو پکارا۔ نورجہاں! ذرا اکبر میاں کو گندک کا ترشہ ہلکا کر دو۔ ہلکانے کا مطلب ایک گلاس پانی میں ایک دو قطرے ڈالنے کا تھا۔ نورجہاں نے انداز سے گلاس میں ترشہ ڈالا ذرا پانی ملایا اور بھیج دیا۔ اکبر نے جوں ہی پیا۔ خون کی قے ہوئی۔ خرماب بریٹن ہرے رش میں بیٹھا کہ سر مغرب گھر لائے اور صبح صبح داتھ کھدیا راستے میں بھی قے ہوئی تھی گھر آتے ہی پھر خرماب کو رخصت کر دیا گیا۔ منصف مجسٹریٹ صاحب اب چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے۔ والدہ اور جیلانی اکبر کو خلوت کے حکیم صاحب کے گھر لے گئے۔ شب قدر کی رات جاگنے کی رات تھی عجیب انداز سے جاگتے کٹی۔ خلوت کے حکیم کریم اللہ نے انڈے کی سفیدی میں دوا ملا کر تھوڑی تھوڑی دیر سے کھلائی۔ دو بجے کے بعد خون کی قے بند ہوئی۔ صبح تک دوا جاری رہی صبح اکبر اس قدر کمزور اور نڈھال ہو گیا تھا کہ اٹھنے کی تک طاقت نہ تھی اٹھا کر گھر لایا گیا۔ اب یہ حالت ہو گئی کہ دودھ موسیٰ کا عرق جو بھی پلایا جاتا نصف گھنٹہ کے بعد قے کے ذریعہ نکل جاتا۔ بخار کے والد ڈاکٹر عبدالرحیم کے ذریعہ بڑے بڑے ڈاکٹروں کو لایا گیا سب کی رائے دواخانہ عثمانیہ میں شریک کرنے اور ایک سرے لینے کی ہوئی۔ ڈاکٹر بنکٹ چندر کے عام وارڈ میں شریک کیا گیا اب جیلانی دفتر سے رخصت لیکر اس وارڈ میں تمام دن اسٹول پر بیٹھے اس طرح مسرور رہا کہ کبھی دودھ، کبھی موسیٰ کا عرق، کبھی سبب کا عرق دینا، نصف گھنٹہ کے بعد قے ہوتی تو صاف کرنا، اجابت یا پیشاب آئے تریئے لیئے کرنا، آب دست اپنے ہاتھ سے کرنا۔ بیجاہر باندھنا وغیرہ، تمام امتحانات طبی ایک ماہ میں مکمل ہوئے، خود کرف کے بعد رائے ہوئی کہ یہاں پریشن کا کیس ہے۔ مدد کی مالی پر تیزاب سے جو زخم آئے تھے وہ خشک ہو کر سرسراخ کو بند کر دیئے ہیں، ذرا سا سوراخ باقی ہے اس میں سے ذرا سا قطرہ سیال جاتا ہے بقیہ تھے کے ذریعہ نکل جاتا ہے۔ ڈاکٹر بہادر خان کے وارڈ میں منتقل کیا گیا جو اس وقت کے واحد سرجن ملنے جاتے تھے۔ پٹھان تھے، بچھ فٹ سے زائد اونچے۔ مریض پر خفا

ہوتے تو کہتے تھے کس دوسری منزل سے نیچے پھٹک دوں گا۔ یہاں عام دارڈ کی مشکلات بہت تھیں۔ جیلانی نے دفتر سے ترنہ نکالا اور کرایہ کے دارڈ میں مریض کر رکھا گیا۔ آپریشن کے قابل مریض نہ تھا اسکو آپریشن کے لئے تیار کرنا تھا چونکہ خون جسم میں نہ تھا۔ اس دارڈ کے میل ٹرس معین الدین تھے، تجربہ کار میل ٹرس تھے، اب جیٹا نے ان کی بوجا شریخ کی، ابتدا چائے پلانے سے ہوئی وہ کہنے لگے، جیلانی میاں فلاں فلم بہت اچھی آئی ہے۔ پانچ کی ڈسٹ ندر کی گئی، کبھی کہا تھا ماس ٹوٹ گیا ہے، یاد دلایا گیا، کبھی سیکل سٹا ٹائٹر چھٹ گیا، نیا بیل دیگیا۔ خرچہ تو بہت ہوا اگر اس آؤی نے اس وقت آئینہ ہمیشہ وقت پر کام آکر بڑا احسان کیا۔ ڈاکٹر عارف اللہ قادری لندن سے حال حال میں آئے تھے جرنل دن جانے سے قبل سید کو ٹیوشن پڑھاتے تھے۔ رائے ان کو گھر پر دوا خانے کا ریکارڈ لیجا کر دکھانے کی ہوئی، ہر حال بڑی ترکیب سے معین الدین میل ٹرس کے توسط سے دوا خانہ کی رپورٹ ٹکٹ ایکسپریٹ حاصل کیا جا کر ڈاکٹر عارف اللہ قادری کو دکھانے پر ان کا رائے ہوئی کہ آپریشن ہوگا، ہرگز نہ کر لیا جائے۔ پچاس فیصد خطرہ مر لیتا پڑے گا جان کا خوف ہے، اگر بعد آپریشن پیچ پنج بھی جائے تو عمر تمام معدے کا فعل ناقص رہے گا۔ دوا خانہ میں رکھ کر ان دواؤں کا استعمال ایک ماہ تک کروایا جائے اور یہ دوا پانی میں ملا کر پہلے باریک پھر موٹی نئی بربر کی حلق میں ڈال کر روز پیٹ دھرایا جائے۔ انشاء اللہ فائدہ ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ نلی سے سوراخ کھل جائے گا۔ ایک ماہ بعد بصورت مجبوری آپریشن برقرار کیا جائے گا۔ بڑا جباری علاج تھا۔ جیلانی نے قرض لیکر دواؤں کا ترانظام کیا لیکن ڈاکٹر عارف اللہ قادری کے طریقہ علاج کو ڈاکٹر بہادر خان سے کہنے کی ہمت کس کی ہو سکتی تھی۔ معین الدین میل ٹرس سے مشورہ کر کے ان کے مددگار ڈاکٹر سید علی ایٹھ مرچیا کے گھر پر بادام کی جالیاں اور دیگر میٹھیائیاں میوہ جات، جیلانی نے پہونچائے انہیں خوش دیکھ کر عرض مدعا یا انہوں نے کہا، ”بائے یہ تمام ڈاکٹر بہادر خان کے داؤد میں ہوگا۔“ جیلانی نے میس مزید دیکر کہا، ”بصرف ڈاکٹر بہادر خان سے یہ کہہ دیں کہ آپریشن کے قابل ابھی مریض نہیں ہوا ہے۔ معین الدین میل ٹرس تمام علاج حسب ہدایت کریں گے۔ آپ کا ٹکڑا رہے گا۔ دسویں میس کے ساتھ ہی راضی ہو گئے ایک ماہ کے علاج کے بعد فائدہ نمایاں محسوس ہوا مریض کو گھر پر لایا گیا اور پھر ایک ماہ تک معین الدین میل ٹرس گھر پر آکر پیٹ دھرتے اور انجکشن دیتے رہے آخر اکبر اسکول جانے کے قابل ہو گیا مگر جیلانی کا مزاج بحال ہو گیا۔ یاد ہوگا کہ جیلانی جب اکبر کی عمر کے لگ بھگ تھا اور ٹائی فیڈ میں بچہ ماہ بتلا اور بستر پر تھا تو ماں اور باپ مفسدی بیگم کے بچہ کے لئے جملہ کے سلسلہ میں ہندوؤں کے روتا کادائی کے تحت لبرسات، جھولا، تلبے اور چینی کے برتن وغیرہ خرید کر لاتے اور یہ بستر پر پڑا دیکھتا

اور ماں کے الفاظ ان کے کانوں میں گونجتے "کیا سرکاری دوا سے لوگ اچھے نہیں ہوتے، دنگا ہے تو بچ بدلے گا" مگر جیلانی نے یہی الفاظ اپنے بھائی کے لئے نہیں بچے پانی کی طرح روپیہ بہا کر جانثانہ کھد کر دیا۔ یہ بھی قدرت کا ایک انصاف اور سزا تھی کہ ماں باپ کی نگاہیں اور امیدیں تو بڑے فرزند پر لگی تھیں اور وہی امیدوں کے سہارے تھے۔ قدرت ماں باپ کو ان کی نالافانی کا بدلہ بڑے عزیز کی عاشقی اور دیباں جان بن کر لاپرواہی اور خرد غرضی کی دنگی گزارنے کی صورت میں دے رہی تھی۔ اور اب وہ محو حیرت بنے دیکھ رہے تھے کہ جیلانی مجاہدانہ انداز سے خدمت انجام دے رہا تھا ایسے ہی موقع پر علامہ اقبال کہتے ہیں۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ؛ مٹا کی ازاں اور مجاہد کی ازاں اور !
پرواز ہے دوزن کی اسی ایک فضا میں ؛ کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

(۳) مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا کلمہ (علامہ اقبال)

جیلانی نے ذکر ہوتے ہی اپنی بہنیں امغری کی شادی کا دھن کی جواس سے بڑی اچھی جس کی عمر ۲۴ سال کی ہو چکی تھی قرضہ مکنت دفتر کی انجن امداد باہمی سے لیتا اور دوستوں سے بھی انجن امداد باہمی سے قرضہ دینے کی درخواست دلا کر ان کا قرضہ بھی خود لے لیتا اور ان کی ادائیگی بھی خود کرتا اور علامہ اقبال کے الی اشعار کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا ہوا تھا۔

خودی میں ڈوبنے والوں کی عزم دہمت نے ؛ اسی آجھو سے کئے بحر بیکہاں پیدا

عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں ؛ تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانہ کا کلمہ ؛ بندہ بحر کے لئے نشتر تقدیر ہے فوضی

حب ان الله يا زمانہ کا شکوہ چھوڑ کر تقدیر یزداں بن کر خودی میں عزم دہمت کے ساتھ ڈوب جاتا ہے تو منزل مقصد خود سامنے آ جاتا ہے۔ لڑکیوں کے لئے خصوصاً ہندوستان میں عمر کے بڑھ جانے کے بعد نسبتوں کا اتنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے جبکہ دولت بسیار کے درخت کا گہرا سایہ نوثا اندھسراں کرنے لے۔ خیر ایک آبکاری کے سبب آپس میں اشتقاق کی نسبت آئی جسکی بری مرچکی تھی وہ بچے چھوڑ کر۔ تیاری مکنت حد تک ہو چکی جیلانی اور امغری دونوں صغریٰ معشرٹ صبا کی مالی جو جراتی میں بیوہ ہونے کے بعد بہن کے گھر آئی تھی کے بچے کھلاتے تھے چونکہ بیوہ ہونے کے بعد پہلا ہوسے اور دونوں بڑے ہونے تک خالہ کے درجہ جانب ہوتے تھے صغرانے بھی مکنت مدراس شادی میں کی۔ تیاری مکنت حد تک ہو چکی۔ جیلانی نے بھی دفتر سے قرضہ نکالاً اب پندرہ سو روپے کی ضرورت رہ گئی تھی

(۴) جھوٹ بھی مصلحت آمیز ترا ہوتا ہے (علامہ اقبال)

جب جیلانی اپنے بڑے بھائی سعید کو ڈیڑھ ہزار رقم کا فراہمی کے لئے کہا تو نائب تحصیلدار نے مجبوریوں اور پریشانیوں کے پل باندھ دیئے۔ محمد جس نے گھر میں ہو کر نہیں بلکہ ساس اور خسر کی بیٹی بن کر قدم رکھا اسکو خسر کی ضیعفی کا بھی احساس تھا اور ساس کی پریشانیوں کا بھی۔ اپنی منڈوں اور دیوروں کو اپنے بھائی بہن سمیٹ کر ان کے بے حس سے متاثر تھی غوراً میکہ کمی اور اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد سے اپنے شہر کو ڈیڑھ ہزار اپنے ایک عزیز اور بسکٹ فیکٹری کے مالک کی ملازمت پر دلادے۔ سعید اپنی بیوی کی حرکت سے خوش تو نہ تھے مگر کچھ کہہ بھی تو نہ سکتے تھے۔ علامہ اقبال نے بچ کہا ہے۔

ہیں لوگ دہی جہاں میں اچھے دے آتے ہیں کام جو دوسروں کے

(۵) کف آئینہ پر باندھی ہے اونا ناں حنا تو نے (علامہ اقبال)

جب ڈیڑھ ہزار روپے سعید بنک سے لے آئے تو انہوں نے جیلانی کو تیرہ سو روپے کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ تم کافی قرضہ نکال چکے ہو، ایسا کرو کہ تین سو روپے اس رقم میں سے ادا کرو میں بارہ سو روپے ادا کر لیتا ہوں، دو سو میں نے رکھ لئے ہیں، بچے کپڑے بنانے کی شدید ضرورت ہے۔ تمہاری بھینٹ اور کفایت شکاری سے بچے ایسا ہے کہ تم دو سو روپے کو ارجیٹ کر لے سکو گے۔ جیلانی نے ضرورت دیکھی تیرہ سو روپے لے لئے اور دوسو کا انتظام کر لیا۔ دل صاف رہے تو آرائشی رنگ سے انسان کو کوئی تعلق نہیں رہتا ضرورت مقدم، آرائشی رنگ بعد میں۔ ایسی آرائشی رنگ جو زلف کو چھڑ کر اختیار کا جائے علامہ اقبال کے نقطہ نظر سے کف آئینہ پر حنا باندھنے کے برابر ہے کہ حنا آئینہ پر رنگ لای نہیں سکتی فرماتے ہیں۔

صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے دے کف آئینہ پر باندھی ہے اونا ناں حنا تو نے
بہر حال ہمت مردانہ بخدا کے صدق ہوا اور شاہی ہو چکی۔ شادی معای نہیں تو اوسط درجہ کی
شادی تھی۔

(۶) سردیں صدق مقال اکل حلال

(علامہ اقبال)

(دین کا راز سپچ بولنے اور اکل حلال کھانے میں ہے)

منصف مجسٹریٹ صاحب جو اپنی ملازمت میں دشت سے پرہیز کرتے تھے کہ نابائز اور اکل حلال نہیں۔ حالات ایسے ہو گئے کہ آبکاری یعنی سیندھی شراب کی آمدنی والے کو داماد بنالیا۔ بہن کو تاتن ظلم ڈاکر طلاق حافظ سے دلا کر حرام کاری میں مبتلا کیا تھا اسلئے ان کی بڑی بیٹی، منجلی بیٹی اور اس بیٹی کی قسمت میں حلال کی کھائی سے جسم کی پرورش نصیب میں نہ آئی تھی۔ جو جسم اکل حلال سے پرورش نہیں پاتا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی عبارت قابل قبول۔ علامہ فرماتے ہیں۔

سردیں صدق مقال اکل حلال

ترجمہ : دین کا راز سپچ بولنے اور حلال کی دہزی کھانے میں ہے۔ اتہائی اور انجمن میں حلال کا تماشا دیکھنا ہر تو سپچ بات ہمیشہ کہنے اور کسب حلال کھانے سے یہ تماشا نظر آتا ہے۔

مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ کسب حلال نہ صرف خود کھائیں اپنی اولاد

نصیحت | کو بھی اس راستے پر ڈالیں اور بیٹیوں کو ایسے معاملات اور ایسے شوہروں کو دیں جو کسب حلال سے کھانے کے قابل ہو۔

(۷) ایسی بھی تری پیچیدہ تر ازلف ایاز

(علامہ اقبال)

جیلانی نے اپنے دفتر کا اپنا اور اپنے دوستوں سے لیا قرضہ ادا کر دیا۔ پھر تین سو روپیہ قرض نکال کر اپنے بڑے بھائی سید کو دے دیئے کہ اسٹینک آف حیدر آباد میں قرض میں جو میری جانب ہے ادا کر دیجئے۔ سید نے اب ایک پائینٹ نکال کر یہ رقم تم رکھ لو۔ اضری تمہاری بڑی بہن ہے اس کی شادی کا قرضہ میں ادا کر لوں گا۔ تم اپنی چھوٹی بہن کی شادی اپنے ذمہ لے لو۔ جیلانی نے کہا۔ اب تک قرضہ لیکر میں نے ادا کیا ہے وہ واپس دیدو یا یہ تین سو لے لو۔ پریشان سے ہو کر سید نے کہا۔ خیر اس رقم کو تو رہنے دو۔ جیلانی نے کہا آپ کی بیٹی عقیدہ کی بسم اللہ کی عمر گزر گئی۔ آپ نے بسم اللہ نہیں کہہ آپ نے خاندان کی مدد کی۔ کیا لوگوں پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ خاندان کے لئے بڑی بیٹی کی بسم اللہ کی آرزو بھی نہ نکال سکے گو یہہ رسومات شرعی نہیں مگر آپ اپنی کوتاہیوں سے نہ کریں اور نام خاندان کا ہو۔ میں اس رقم سے عقیدہ کی بسم اللہ کر دیتا ہوں۔ مسکرائے۔ کہا۔ تمہاری مرضی۔ سستا

زمانہ تھا، تھوڑی اور رقم شال کرنے سے شاندار بسم اللہ عقیلہ کی ہو گئی، دادا کو اس تقریب کا اس قدر خوشی ہوئی وہ اپنے بیٹے جیلانی کو بار بار لگے لگاتے اور کہتے منجملے یہ سب کچھ تیرے دم کا ظہور ہے۔ عقیلہ کی بسم اللہ خوانی کے کچھ دن بعد سعید جیلانی کے حجرے میں مسکراتے داخل ہوئے۔ سعید خوش تھے اور کہنے لگے خاندان تمہارے احسانات کا معترف ہے۔ تم نے چھوٹی سی عمر میں وہ کام کر دکھائے جو میں نہ کر سکا۔ اب ایک بہن جنفری کا شادی کا شادی باقی ہے۔ تم میں تو ایسا کامادہ قدرت نے درجہ اتم بھردیا ہے۔ ہماری سالی منی کے لئے ہمارے عسر نے بنک میں معقول رقم رکھادی ہے۔ تم سیدھی سادھی شادی کر کے اس رقم سے انچا چھوٹی بہن کو اٹھا سکتے ہو۔ جیلانی نے کہا مجھے قواعد عرض نہیں۔ آپ والدہ ماہ سے فرمایا تھا۔ کہا۔ نہیں۔ تم ہی ذکر کرو اور اپنی مرضی کا اظہار کرو۔ جیلانی نے جب یہ بات ماں سے کہی تو انوری دہاں موجود تھی۔ کہا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ سر میں سب جوں پڑے ہیں جوں دالی کو ہم نہیں لاسکتے۔ ماں نے کہا ٹھیک ہے۔ بعد میں سمجھ میں آیا کہ ماں اور بہنوں کی پالیسی یہ تھی کہ بہن اٹھ جائے تو جب بھی چھوٹے بھائیوں کی تعلیم رہتی ہے۔ لہذا جیلانی کی شادی تمام ذمہ داریوں تک ملتوی ہی رہے۔ جیلانی نے انوری بیگم کا کہنا بھائی کو سنا دیا۔ وہ ہونٹ دبائے صورت سُرخ بنائے پیسچ و تاب کھا کر رہ گئے غصہ چھپائے نہ چھپتا تھا۔ صرف آسا کہا۔ تم کچھ سمجھو سکے۔ جیلانی کا سمجھ میں ایک عرصہ بعد آیا کہ خدمت کرنے والے کو زوال پذیر قوم نہایت ہی سفاک و خود غرض بن کر اس کو گھلایا جاتا ہے۔ یہہ ہے زوال پذیر قوم کی ایک خصیلت و عادت۔

گیارہواں باب

(۱) کھٹے جلتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات

(علامہ اقبال)

قوموں کے عروج و زوال کی ضامن عورت

عورت کی مسلمہ حیثیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ خاندان سے لیکر ملت بلکہ

مملکت کے عروج و زوال کی ہمیشہ عورت خدا من رہی ہے اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی جب تک عورت نے اچھے فرزندوں کو جنم دیا ان کی اچھی تربیت کی۔ قوم بام عروج پر رہی اور جب عورت نے خود ناقص بن کر ناقص فرزندوں کو جنم دیا اور ناقص تربیت دی۔ خاندان بھی ناقص اور قوم بھی ناقص

اور ذرا دل پذیر ہو گئے۔ عورت خاندان سے لیکر قوم تک کو جنت سے بہکانا کر بھی سکتا ہے اور ماہیں جنت سے نکال کر جہنم کے حوالے کر بھی سکتا ہے۔ گویا دین و دنیا کا تباہی کا سبب و باعث بن سکتی ہے۔ چونکہ اولاد کا پہلا مدرسہ و مکتب عورت کا آغوش ہوتا ہے اسلئے وہ قوم اور خاندان کی معازا دل معلم اول ہوتی ہے اسی کے خون کے اولین قطرے جو بصورت دودھ بعد پیدائشی اولاد کے جسم میں داخل ہوتے ہیں وہی ماں کا فطرت کے غازیں لڑا اولاد کو باحیا یا بے حیا، ایماندار یا بے ایمان بناتے اور متاعِ کردار سے نوازتے یا متاعِ کردار سے محروم کر دیتے ہیں جس میں اس کی تربیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے عورت کے تعلق سے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

راز ہے اس کے تب غم کا یہی نکتہ شوق ؛ آتش لذت تخلیق سے ہے اس کا دجر
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات ؛ گرم اسی آگ سے ہے محرکہ بُرد و بنور
بس یہی معیار لئے ہیں منصف مجسٹریٹ صاحب کے گھر کا جائزہ لینا ہے۔

(۲) ڈوب جاتے ہیں سیفینے موج کی آغوش میں (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کی المیہ سوم نے گھر میں جو غیبت کا آغاز کیا اب بیٹوں کے جواں ہونے

غیبتیں اور کئی زندگیاں غرق

کے بعد یہ فن غیبت اپنے عروج اور شباب پر آ گیا تھا۔ تمام بیٹوں نے سوائے احمدی کے اس غیبت سخن کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا کے پناہ مقامِ اعلیٰ بنایا کہ ماں کی نانی کی نانی اپنے آپ کو ثابت کرنے لگی تھیں۔ غیبت ہی اب اس گھر کے لئے خلوص محلہ میں پیٹ بھرنے کے لئے بہترین غذا۔ غیبت ہی چھانا کھانے کے بعد کھانا پیہم کرنے کا بہترین چورن۔ غیبت ہی اس گھر کی بیٹیوں کی حیات کے لئے بہترین ٹانک، غیبت ہی اس گھر کے لئے شربتِ روح افزا۔ غیبت ہی اس گھر کا سرمایہ نجات۔ لذت کا سامان اور آرامش و زینت مکان۔ غیبت ہی اس گھر کے لئے عبادتِ عین اور نجات کا باعث اور سعادت دارین بن کر رہ گیا تھا۔ ماں کی ذرا سی تربیت سے بیٹیاں اس قدر لائق ہو گئی تھیں کہ جسکو چاہا غیبتوں کے ہم مار کر تحتِ الشریٰ میں پہنچا دیا۔ پھر اسکو زبان ہی کے داکٹ سے تحتِ الشریٰ سے نکال کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ تھیں ترانے کافن بھی اس گھر میں عروج پر آچکا تھا ایک ایک کی باری وقفہ وقفہ سے آکر ایک عرصہ تک رہتی پھر اس پر رحم آجاتا تو اسکو اچھا بنا کر شریائی چوٹی پر بیٹھا دیا جاتا پھر کسی ایک کا بڑا آتا۔ جھوٹ کے فن نے بھی بڑی ترقی کی تھی۔ ابھی کہا اور ابھی سننے والے کو ہر دیا

کہ ہم نے کہا ہی نہیں یہ ایسی سیاست تھی اور ایسا انوکھا جمہوری نظام کہ سب ایک دوسرے کی تائید میں ہاتھ اٹھاتے تھے انڈیشن میں کوئی نہ رہتا تھا۔ انوکھی سیاست انوکھا سیاسی نظام جس کو دیکھ کر ابلیس بھی بقول اقبال اللہ پاک سے معروضہ کرنے لگے کہ

کہتا تھا عزرا زیل خدا دند جہاں سے : پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کف خاک

جان لاغردن خربہ دلبوس بدن زیب : دل نزع کی حالت میں خرد پختہ دجالاک

جمہور کے ابلیس میں ارباب سیاست

باقی نہیں اب میری ضرورت نہ افلاک

(۳) قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے مت ع کردار

(علامہ اقبال)

آج کل بچہ جیسی فرشتہ خصلت پر اور بھار دج کی غیبت کا سلسلہ جاری تھا۔ آج کل بچہ شہر میں اور سعید اپنے مستقر آشتی میں نائب تحصیلدار پر تھے۔ جب سعید شہر آتے ہو کی شکایتیں ماں اس کے سامنے کرتی اور سی اور سعید میاں کی زندگیاں تو بادشاہ محلہ لالہ کے ہاتھوں تباہی کے غار میں گرتے گرتے بچ گئی تھیں۔ منہ کر کالک لگ ہی چکی تھی اور کئی باجیا ہوتے تو انٹرنل ڈکرتے، شرم سے منہ چھپاتے جی لیتے مگر اندری اور سعید میاں جنہوں نے متاع کردار کو دیا تھا رات دن بچہ کی غیبتیں کرتے ماں کو بہکایا کرتے۔ بلا دجہر۔ بلا سبب انتہا یہ ہوئی کہ بیٹے کو ماں خط لکھتی تو اس نیک سیرت ہو کے خلاف لکھتی۔ سعید نے پریشاں ہو کر اپنے منجھے بھائی جیلانی کو آشتی سے حسب ذیل خطوط لکھے۔

”تمہاری بھار دج سے متعلق میں ان پیچیدہ حالات کو جاننا چاہتا ہوں اور سعید پر تم بھروسہ رکھو حالات جلنے کے بعد بھی تم پر کوئی آپریشن نہ ہو گا کی اور نہ ہی اذت اور لذت بد مزگی ہماری ازدواجی زندگی میں پیدا ہوگی اور نہ تعلقات فرزندانہ میں جیسے بھی سمورے ہو۔ تمہاری بھار دج کی یہ شکایت ہے کہ ان کو غلط سمجھا جاتا ہے وہ کچھ بھکرتی ہیں اسے۔ بھار دجی کہا جاتا ہے اور حالات کی مجبوری سے جو واقعات ہوتے ہیں ان کی بدینتی یا لاپرواہی پر معمول کہا جاتا ہے وغیرہ۔ دوسرا خط ۷ ارادہا بہشت ۱۳۵۵ھ - آشتی۔

”تمہاری بھار دج! ان کی لاپرواہی دن بدن میرے شفیق والدین کے لئے تکلیف دہ ہوتی جا رہی ہے۔ اس خصوص میں انہیں کچھ لکھتا ہوں تو وہ کچھ عجیب شکوہ شکایت کرتی ہیں یہ چیزیں مجھے اور تکلیف دینے لگی ہیں۔ انہی کے خطوط سے ان کے بارے میں جو خیالات

کا اظہار ہو رہا ہے وہ نجم کے اور میرے درمیان خلیج کو اور وسیع کرتے جا رہے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ آخر کیا ہو گا؟ گویا یہ جینا سے شادی کر لینے کی تجہید تھی۔ سعید کی ماں اور بہنیں اپنی فطرت بدکارہ سے نجم کی زندگی برباد کرنے کی لگی تھیں۔ جیلانی نے جواب دیا کہ ان معاملات میں نجم بے قصور ہے۔ یہ گھر کی برائی عادت و ریت ہے کہ بلا وجہ کسی کو معتوب بنادیتے ہیں۔“

(۴) ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے (علامہ اقبال)

گوری بیگم اور جینا نے سعید کی شادی کے بعد مالوس ہو کر منصف مجسٹریٹ صاحب کے گھر آنا چھوڑ دیا تھا۔ مغدی بیگم اور اس کے شرہر نے ان کے گھر جا کر ان کے پھر آنے کے سلسلہ کا آغاز کر دیا۔ ادھر جب سعید کی والدہ نے نجم کی شکایتیں شروع کیں تو سعید بھی اب گوری بیگم کے گھر آنے جلنے لگے۔ مردہ عشق زندہ ہونے لگا یعنی بواہر سی مسکرانے لگی۔ گوری بیگم کے سسرال عزیز جینا کے رشتہ کی چچی صاحبہ نے گوری بیگم کے رونے اور بھلنے پر سعید سے کہا کہ اگر وہ جینا سے شادی کر لیں تو نائب تحصیلدار سے ترقی کر کے تحصیلدار بن جائیں گے۔

جینا کی جوانی کا آفتاب ڈھل چکا تھا۔ اس کے شباب کا سورج ادھر چنی کی داری میں اپنا منہ چھپایا تھا وہ بہت موٹی اور بھڑی ہو چکی تھیں۔ اس موٹاپے کا سبب اسکی حقیقی حالہ خیراتی بیگم نے ایک ناجائز بچے کی پیدائش کو بتلایا تھا۔ یہ صحیح ہو کہ نہ ہو۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ دوشیزہ یا کنواری نظر آنے کے بجائے ایک مکمل عورت نظر آنے لگی تھی۔ سعید کی والدہ نے جہاں جینا کو بد چلن، بد کردار و بٹلا کے سعید کی شادی نجم سے کی تھی اب نجم کو بد سلیقہ اور چھوڑ عورت قرار دیکر جینا سے شادی کا سبب یہی ماں اور اسکی بیٹیاں فراہم کرنے لگی تھیں۔ انوری جبکی زندگی بادشاہ حمی الدین کے ہاتھوں تباہ ہونے لگی تھی اس نے ماں کو کچھایا کہ بھائی کی زندگی صرف جینا کو لانے سے سدھر سکتی ہے۔ حملہ میں عباس علی ناظم کے سالے نے عاشقی میں ناکام ہونے پر خودکشی کر لی تھی اور خبر سن کر سب تاثر تھے۔ سید میاں نے کہا ”مومانی ماں سعید کا بھی ایک دن یہی انجام ہونے والا ہے۔ وہ ہو سے تو خفا تھی بیٹے سے کہہ ڈالا ”بیٹا! تم جردل میں ہے وہ کر ڈالو اور سکون سے جیو“ سعید نے اسکو جینا سے شادی کر لینے کی اجازت سمجھ لی۔ جو سو فیصد صحیح تھا۔ سعید نے مستقر پر جا کر ۵۵ روپیہ بہشت ۵۵۵ کو ہسٹری سے جیلانی کو خط لکھ کر جینا سے شادی کرنے کے بارے میں تحریراً مشورہ چاہا۔ جیلانی نے ۶۰ روپیہ ۵۵۵ کو جواب روانہ کیا کہ ”آپ جس زندگی کا خاکہ بنا رہے ہیں آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ مگر مجھے تو اس شادی کے بدلے آپ کا ہنسنا چہرہ نظر آنے کے بجائے متفکر چہرہ ابھی سے نظر آتا ہے۔ اور آپ خوش گوار زندگی

بسر کرتے نظر آنے کے بجائے پیشانیوں کی انتہائی بلند جڑ پر نظر آتے ہیں۔ گھر میں سب کچھ ہو رہا تھا اور منصف مجسٹریٹ صاحب گھر کے آخری حجرے میں بڑے سب باتوں سے بے خبر تھے۔

(۵) تازہ میرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا (علامہ اقبال)

عاشق معشوق

اب دلہا دلہن

سعید اب رغمت پر شہر آئے اور چند روز رہنے کے بعد صدوق میں کپڑے رکھ کر بید جا کر چاریم میں واپس آنا کہہ گئے۔ انہی اور سید میاں دونوں جانتے تھے کہ وہ جینا سے شادی کرنے آئے ہیں۔ منصف

مجسٹریٹ کے پروردہ سید میاں نے اس شادی میں شرکت کی اور اپنی بیوی انوکھی بیگم کو اور سولہ جیلانی کو نکاح ہوجانے کی اطلاع دی۔ چاریم کے بعد جب سید گھر آئے اور شیر دانی لگا کر بیت الخلاء گئے تو انہی بیگم نے ایک تنگ شروع کر دی، شیر دانی سونگھی اور ماں کے پاس لیجا کر شیر دانی سونگھا اور کہا کہ مائے ہائے یہ کیا ہوا۔ اس میں عطر اور پھولوں کی خوشبو بسی ہے۔ آخر بھائی نے جینا سے شادی کر ہی لی۔ آپ بھابی جان کے لوگوں کو کیا مہ نہ دکھائیگی۔ آخر بھابی جان میں کیا خرابی تھی۔ اب ماں بھی رونے لگی اور جینا اور گوری بیگم کو کوسنا شروع کیا۔ بخود نے سنا تو آف بھی نہ کیا وہ صابرہ بنی جسم سکون نظر آئے انہی یعنی انوکھی بیگم خاتونش فتنہ بنی اس کے پاس بیٹھی ہمدردی کا اظہار کرتی۔ اب گھر کا ماحول یکا یک بدل گیا، سب کے سب سید جینا اور گوری بیگم کے خلاف بڑبڑانے لگیں دینے، کوسنے لگ گئے۔ سید بہ حالات دیکھ کر ملازمت پر جانے کے پہلے گھر سے غائب ہو گئے۔ اب گھر میں ایک ماتم چا تھا۔ ہر ایک اپنی حیثیت اور استطاعت کے موافق سید کی کوئی زبان کوئی قلم سے تواضع کر رہا تھا۔ جیلانی نے متاثر ہو کر کئی اشعار لکھے۔ مثال کے

طور پر یہ
دمل لازم نہیں ہے الفت میں ز آئے آگ پا نہیں سکتے
جو نہ کرنا تھا کر چکے ہو تم ز آنکھ ہم سے ملا نہیں سکتے

شفاق سید کے ہنسی بھر (۴) نے بھی اس بحر میں غزل لکھ ڈالی۔

دُرس لیا تم کو ایک ناگن نے ز زہرافن جمع پا نہیں سکتے
تم لگا کر کانک کاٹیک ز ہم سے آنکھیں ملا نہیں سکتے

اب سید کی والدہ کا یہ حال تھا کہ رات دن روتی، سید کی شکایتیں وغیرہ کرتی جو کوئی آتا جیلانی کو بلا کر اشعار سناتے کہتی۔

منصف مجسٹریٹ اور یہ واقعہ | منصف مجسٹریٹ صاحب گھر میں باہر کے حجرے

میں رہتے اور تمام حالات سے بے خبر تھے جب یہ واقعہ سنا اور پوری کائناتوں سے گنگا جمن بہتے دیکھی تو کمر ہی بیٹھ گئی گویا یہاں کی زندگی کے تابوت میں آخری کیل تھی جو اس کے فرزند اکبر اور تمام گھر والوں نے ٹھوک دی تھی۔ منہ سے کہتے اسے عاق کر دوں گا اب وہ اپنی موت کا انتظار کرنے لگے۔ گھر کے درد دیوار محو حیرت بن کر سید کی والدہ اور بہنوں کو دیکھ رہے تھے۔ مال کی غلط سیاست اور بچہ کی مفت میں زندگی کا تباہی کے امور انجام دینے اور پھر بچہ کے ہمدرد بن کر سید اور جینا کی غیبتوں کے سلسلہ کو شروع کرنے کے بھیانک کردار پر ماتم کر رہے تھے اور ابلیس مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ شاباش۔

باقی نہیں اب مری ضرورت نہ اخلاک

(۶) جہاں نو ہور رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب اب زندگی کے ۷۷ سال ختم کر چکے تھے وہ زندگی کے اس سفر سے بھی تھک چکے تھے گھر اور اولاد کے ناہموار تکلیف دہ حالات، معاشیات، ذمہ داریوں کی تکلیف، بھائیوں کا نفاق و فکر وقفہ وقفہ سے انہیں بیمار کر رہی تھی۔ فرزند کلاں سید دو بیویوں کو لئے تحصیل داری کا کرسی پر خائز تھے۔ ہر بیماری میں تیمارداری اور والد کی خدمت کی سعادت صرف فرزند دم جیلانی کو نصیب ہو رہی تھی اب منصف مجسٹریٹ صاحب ہر وقت اپنے فرزند دم کو دعائیں دیتے اور منجھلے منجھلے کہہ کر سینے سے لگا لیا کرتے تھے۔ آخر ایسے بیمار پڑے کہ یہوشی طاری ہو گئی۔ جیلانی نے علاج میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بڑے سے بڑے پوٹوں کے ڈاکٹرز لائے گئے۔ پانی کی طرح دودھ بہا دیا گیا مگر ہوش آنے کا پتہ نہ تھا۔ سید میاں دالہ کے علاوہ بہن کے بیٹے اور منصف مجسٹریٹ کے سالہا سال کے پردہ بھی تھے۔ خدمت تو بڑی چیز تھی قوت جس سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب موت اور زندگی کا کشمکش میں مبتلا تھے اور یہ بازو کے جھرے میں نادل بآواز بلند پڑھ کر بوی کو سنا رہے تھے گویا اپنے ماموں و خسر اور مالک کو عالم نزع میں دیکھ کر یسین پڑھ رہے ہوں اور بد نصیب بیٹی نادل بس رہی تھی۔ نہ محبت نہ انسانیت نہ احساس، بقول علامہ اقبال منصف مجسٹریٹ صاحب کی یہوشی پوچھ رہی تھی انتہا سے۔

تیرے دریا میں طوفان کیوں سے؟ خودی تیری مسلمان کیوں نہیں ہے (اقبال)

اور بیٹی انوکھی بیگم جس نے بادشاہ نجم الدین کے ساتھ کھیل کھیل کر باپ کو نیم جان بنا دیا تھا اب باپ کی بے ہوشی اس کی بے بسی اور شہر سے نادل سننے بیٹھنے پر علامہ اقبال کی زبان بن کر پوچھ رہی تھی۔

زندہ یا مردہ یا جاں لب لب (از سہ شاید کن شہادت را طلب)

ترجمہ: تو زندہ ہے یا مردہ ہے سکرات کے عالم میں ہے (اے دختر) تینوں میں سے کاپے غور کر اور ان سے گواہی لے۔ اس کا مطلب یہ ہے ہر اک وہ زندہ رہ کر بھی زندہ نہ تھی اس کا ضمیر مردہ تھا اس کی انسانیت سکرات کے عالم میں مبتلا تھی۔

ایک جیلانی فرزند دم تھا کہ دن کو جین نہ رات کو نیند۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر آرہے تھے۔ حسب ہدایت ڈاکٹر معین الدین میل تریں وقت پر انکشن اور توجہ اس طرح دے رہے تھے کہ گویا وہ افغانہ کا پیش دار ہے۔ بڑے فرزند سعید کو اطلاع دی گئی ایک دن کے لئے آئے۔ باپ کو عالم بیہوشی میں دیکھا۔ جیلانی کے ساتھ ڈاکٹروں کے ساتھ چلے راستے میں کہہ دیا کہ کل میرا ملازمت پر رجوع ہونا، بعد ضروری ہے۔ جیلانی نے حیرت سے پوچھا باپ کو اس نازک حالت میں بھجور کر جواب دیا۔ باپ کی حالت نازک ہے تو ملازمت کی حالت بھی نازک ہے۔ تم ہی فیصلہ کرو کہ کسی نازک حالت کو دیکھا جائے۔ جیلانی نے کہا میں کس طرح روپیہ کو پانی سمجھ کر علاج میں بہا رہا ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں اگر کئی علاج کے لئے روپیہ کی بڑبڑائی تو کیا ہوگا؟ جواب دیا "یقین کرو اس وقت میں ناقابل بیان دوا سحر جادو حاشی برائے ان میں مبتلا ہوں۔ جیلانی نے کہا "جب باپ کی اس ضلعی کا عالم ایک بہن کی شادی باقی اور تین چھوٹے بھائی زیر تعلیم تھے تو آپ نے دوسری اور ایک شادی کا شوق کیوں فرمایا، میں اپنی قوت سے زیادہ روپیہ علاج پر خرچ کر دوں گا اگر مزید روپیہ کی ضرورت پڑے پر روپیہ فراہم نہ ہو اور یہ احساس ہو کہ مزید روپیہ اور علاج سے جان بچ سکتی تھی تو جیلانی آپ کی جان بھی باقی نہ رکھے گا۔ خاموش ہو رہے باپ پر بیہوشی طاری تھی ڈاکٹر تشریف لے رہے تھے صبح فرزند بکرنے اپنے مستقر کی راہ لی۔ مستقر پر جانے کے بعد جب حالات بیہوشوں سے بیان کئے تو پہلی بیوی نے فرما اپنے ڈنڈ کی سونے کی پٹیا فروخت کر کے ادوی کے ذریعہ اٹھ سو روپیہ روانہ کر دئے۔ اسی بیوی پر سعید صاحب سونے لائے تھے اسی بہو کی شکایتیں سراسر اور نند کر کے سعید کو دوسری شادی کر لینے کا اشارہ دیا تھا۔

ہر حال متصف مجسٹریٹ صاحب کا آخری وقت آچکا تھا۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر آتے رہے، دواؤں پر دواؤں دی جاتی رہیں۔ معین الدین میل تریں بھی حسب ہدایت ڈاکٹر معروف خدمت تھے حسب ہدایت ڈاکٹر رات کے گیارہ بجے قلب کی تعویذ کا انکشن جسم میں تھا۔ آخر دل ڈوب ہی گیا۔ ہندوستان کو آزادی ملنے کے ایک ماہ بعد متصف مجسٹریٹ صاحب نے دنیا کے مصائب اور آفتوں سے آزادی حاصل کر لی۔

(۷) میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلونگا اپنے درماندہ کاڑاں کو (علامہ اقبال)

جب روح برداز ہوئی ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ جیلانی نے اپنے چھوٹے بھائیوں اکبر و محبوب کمال کو سینہ سے لگایا اور اپنی ناکتخدا بہنیں جمعہ فری کر بھی، اور کہا تم سمجھ کر بھائی مر گیا ہے۔ باپ نہیں۔ انشاء اللہ تمہاری شادی اور تعلیم اور مستقبل کا شرع ہوئے۔ اللہ کی قدرت کہ اس نے یہ کہ بھی دکھایا۔ بڑے صاحبزادے خدمت سے محروم تھے ہی میدا ر سے بھی محروم رہے، جیلانی نے تیمارداری کے طویل فرائض بھی انجام دیئے اور تجہیز و تکفین بھی تنہا انجام دیں۔

(۸) بھر دے کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر (علامہ اقبال)

ایک ماہ بعد بیس سالہ جیلانی جس نے کبھی کسی کی قبر بناتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، قبر بنوانے مزدوروں کو لئے گھر آیا اور سید میاں داماد، بے پردہ منصف مجسٹریٹ صاحب کو ساتھ قبرستان چلے گیا۔ سید میاں نے بلند آواز سے کہا، "نہیں میاں میں بہت تھکا ہوا ہوں حالانکہ وہ رات تمام سو کر صبح ناشتہ کے بعد چائے پی رہا تھا۔ جیلانی آنکھوں میں آنسو لئے مزدوروں کو لئے قبرستان قبر بنانے چلا گیا، دوپہر کے بعد جبکہ قبر تقریباً تیار ہو چکی، سید گاؤں سے آکر جواہر گئے ہوئے تھے سید میاں کی یہ گفتگو والدہ سے سنکر قبرستان آئے اور جیلانی سے کہا میں نے سید میاں کی بے مددی کا حال والدہ سے سن لیا۔ جیلانی نے دل میں کہا آپ کی بے حسی کا حال تو میں نے دیکھ لیا جو نفس کے غلام ہوتے ہیں ان پر بقول علامہ اقبال بھروسہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

بھر دے کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر ؛ کہ دنیا میں فقط مردانِ حرک کی آنکھ ہے بینا
بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے ؛ پر شیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

بارہواں باب

(۱) اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انفاً لہاب

(علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کی زندگی کے بعد

جو قوم ترقی کا طرف مائل ہوتی ہے اس میں اور وہ قوم جو زوال کے
ہاتھوں تباہ ہو جاتی ہے دونوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مائل بہ ترقی

مائل بہ ترقی اور

زوال پذیر قوم کا فرق

قوم احساس ہوتی ہے۔ فرض شناس ہوتی ہے۔ جب اپنے قوم
کے کسی فرد یا خاندان پر آفت دیکھتی ہے تو اس کی مدد کے لئے آگے بڑھتی اور قربانیوں سے
دریغ نہ کرتے ہوئے اس کو تباہی و بربادی سے بچا لیتی ہے جس کی نمایاں مثال آقاؐ نے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم
کے مکہ سے مدینہ شریف لیجانے پر ملتی ہے کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں
کو بھائی چاہی کے رشتہ میں منسلک کر دیا تو انصار نے ہاجر کے لئے اپنا نصف مال حتیٰ کہ دو بیویاں
ہونے کی صورت میں ایک بیوی کو تک طلاق دیکر اپنے ہاجر بھائی کے نکاح میں دے دیا یہی ایثار
و قربانی نے مسلمانوں کو شریاکِ چوٹی پر بٹھا دیا۔ دنیا کے تین براعظم پر پھارہ قابض نہیں ہوئے بلکہ
بقولِ حضرت اقبالؒ حال یہ تھا کہ۔

عالم ہے نقطہ مومن جانبِ ازکی میراث ؛ مومن نہیں جو صاحبِ لالاک نہیں ہے

جہاں تمام ہے میراثِ مرد مومن کی ؛ مرے کلام پہ محبت ہے نکتہ لولاک

جب مسلمان قوم زوال پذیر ہوئی تو رشتہ و اردقت مصیبت غیر بے نظرانے لگے۔ حقیقی بھائی
اور قریبی مصیبت مصیبت زدہ بھائی سے گریز کرنے لگا۔ حسن کے ساتھ احسان و زامرشی کی جانے لگی اور اس
کے تحت ہمدردی کرنے والے حسن کو یہود و اہل دیوانہ کہا جانے لگا۔ مختصر یہ کہ اپنے محسنوں کے ساتھ
نیک حواشی کو شیرہ زندگی بنا لیا گیا۔

منصف مجسٹریٹ صاحب کے انتقال کے بعد ایک تو سید زادے یعنی مفیدی بیگم کے شوہر تحصیلدار
تھے جن کو منصف مجسٹریٹ صاحب نے نہ صرف بیٹی دی بلکہ تحصیلداری کا کام بھی سونپا یا اور ہر پریشانی کے وقت
مدد کی پھر وہ دامادی نہیں بہن کے لڑکے بھی تھے اور خود غرض سید زادے نے "میں میرے بچے بقیہ بچے"

کی کہادت کو سچ کر دکھایا یہ تحصیلداری کی کرسی پر فائز آنکھیں بند کئے۔ کسی کو دیکھتے تک نہ تھے زبان کی بہردی سے تک محروم۔ بقول غلامہ اقبال ابلیس اپنے کارندوں سے ان کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔
تم اسے ہنگام رکھو عالم کو دار سے تار تاباں زندگی میں اس کے سب سہر پہن تار
جیسا کہ آگے آئیگا ان کو قدرت نے یہ سزا دی کہ منصف مجسٹریٹ صاحب کی اولاد ہی کا انہیں زیر بار احسان ہونا پڑا۔
تیسرے داماد سید میاں جو سید ہونے کے دعویدار تھے اور منصف مجسٹریٹ صاحب کی بہن کے بیٹے بھی۔ ان کی مال کو ظالم شوہر سے منصف مجسٹریٹ صاحب نے نجات دلا کر دوسرا نکاح کر دیا، بعد بیوہ ہونے کے تاحیات ذریعہ منی آرڈر بغرض پرورش رتم روانہ کرتے رہے اور بعد انتقال سید میاں کو اپنے گھر رکھ کر پرورش کی۔ پھر بیٹی دی۔ یہ بھی بد نصیب پروردہ خود غرض اور سفاک اور خودی سے محروم اور بے سنگام آزادی خام اور فکر خام کی زندگی بقول شاعر مشرق بسر کر کے اس شعر کی تفسیر بنا ہوا تھا۔

ہو ملکہ اگر خام تو آزادی انکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

بڑے صاحبزادے باوجود تعلیم سے آراستہ ہونے کے باپ کی ذمہ داریوں سے لاپرواہ اور دو بیویوں کے شوہر بن کر بچلیں بجا رہے تھے کہ ”ہا ہا میں تو دو بیوہ والا“ جب بقول حضرت اقبال یہ اپنی تعمیر خودی ہی سے محروم تھے تعمیر خاندان سے انہیں کیا سروکار۔ وہ جانتے ہی کب تھے کہ

بے ذوق نمود زندگی موت تار تعمیر خودی میں ہے خدائی

والد کے انتقال کی خبر سن کر شوہر آئے اور بڑی مشکل سے (۷۵) روپے، پھر سو روپے ماہانہ روانہ کرنے راضی ہوئے، زمانے لگے والد محترم نے ۲۱ سال وظیفہ لیا ہے، ضابطہ ملازمت کے تحت بیوہ کو صرف پانچ روپے وظیفہ رعایتی ملے گا وہ بھی برسوں کی پیروی اور کئی حکمہ جات کے چکر کاٹنے کے بعد منصب توحیات تھی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہم مر گئے ہیں کہ برسوں پیروی کئی حکمہ جات میں کر کے دقت خراب کریں۔ جیلانی نے سکر کر دیکھا۔ نظریں ہٹالیں۔

جیلانی نے وظیفہ رعایتی کی درخواست والدہ کی جانب سے پیش کر کے طوفانی پیروی کر کے تین

وظیفہ رعایتی اور منصب کی اجرائی

حکمہ جات سے کاروائی ایک ماہ میں مکمل کر کے منظوری لے لی اور والدہ کو پانچ روپے بشمول پندرہ روپے گرانٹ الاؤنس پیش روپے دلا دیا۔ سید کو اطلاع ہوئی جیلانی کو خط لکھا کہ بڑی مسرت یہ ہے کہ حضرت قبلہ گاہی کی ماہوار کا کچھ جزو دیوں نہ ہو محترمہ والدہ صاحبہ کے نام ہو گیا اپنے شوہر کی رتم کا انہیں جو سہارا اپنے خواہ وہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو وہ سہارا دوسروں کے لاکھوں کی رتم سے بھی ملنا نا ممکن ہے۔ اس کے بعد

ایک ہی ماہ میں جیلانی نے ضابطہ ملازمت کا حوالہ دیتے ہوئے والدہ کی جانب سے درخواست پیش کر کے ذلیفہ المصاف یعنی ”گناہ یعنی دس روپیہ اور گرانی پندرہ (۱۵) گویا (۲۵) روپے کی منظوری لے لی اور منصب تاحیات چوتھی مرحوم کی ذمہ داریاں تہا کر چار ماہ میں طوفانی پیریزی کر کے پچاس روپے کا دو تہائی یعنی (۳۳) روپے منظور کروا کر تقایا بھی والدہ کو دلادیا اب ۲۵ ذلیفہ معر گرانی الاؤنس اور منصب جملہ (۳۳) روپے ملنے لگے اور گرانی الاؤنس ہمیشہ بڑھتا ہی جاتا رہا۔ سید صاحب حیران ہوئے جیلانی کو خط لکھا۔

۱۹ رزی ۱۳۵۴ء کی پ دورہ عادل آباد۔

”میرے جوال سال دجراں بخت بھائی خداتجے باہر بسر خور رکھے۔ آمین۔ تم اس وقت جس ہمت و استقلال سے کام کر رہے ہو، لائق صد ہزار حسنت و تحسین ہے۔ تم وہ کر رہے ہو جو مجھے کرنا چاہئے افسوس کہ خصوصاً اس عمر میں (۲۰) سال میں دنیا بھر کی مصیبتوں میں الجھ گئے ہو۔ بہر حال دعا ہے کہ خدا تمہیں ان خدمتوں کا صلہ دین و دنیا کی سرخوئی سے عطا فرمائے۔ آمین۔“

جیلانی نے ہمت افزائی کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ میں علامہ اقبال کے ان نظریات پر ایمان رکھتا ہوں۔

خودی میں ڈوبنے والوں کا عزم و ہمت ہے ؛ اس آئینہ سے کئے بحر بیکراں پیدا
زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعل راہ ؛ کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک
دہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے ؛ زمانے کے سمندر سے نکالے گوہر فردا
خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم ؛ عشق ہو جس کا تجوز فقر ہو جس کا غمور
اور لکھا کہ مجھے میری طوفانی رفتار کی پیروی دیکھ کر لوگ جنونی کہنے لگے ہیں اور میں ہمت ہوئی کہ بقول حضرت اقبال ؎

ایک جنوں ہے کہ با شہد بھی ہے ؛ اک جنوں ہے کہ با شعور نہیں
دعا فرمائیے کہ اللہ میرا یہ جنون سلامت رکھے، مجھے منزل مقصود تیزی سے طے کرنی ہے جو ابھی کافی دور ہے، اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ مجھے جنون اور جرأت زندانہ عطا فرمائے۔

(۲) زندگانی کیا ہے اک طوق گلو افشار ہے (علامہ اقبال)

جیلانی کی پریشانیوں کی اس کم غری میں حد نہیں تھی فکر ہوتے ہی افسری کی شادی کی تیاری

شروع ہی کی تھی کہ اکبر کی کچھ ماہ کی طویل اور تھکا دینے والی بیماری اور طوفانی خرچ کا سلسلہ چلا اس سے فراغت پائی تو آخری کی شادی کی مصروفیت و مشکلات کا مقابلہ ہوا۔ قرضہ کی ادائی اور سعید کی بیچی کی بسم اللہ سے فراغت پائی تھی کہ گھر میں منجھ کے خلاف غیبتوں کا طوفان اور والدہ اور بہنوں کا سعید کو دوسری شادی کو اکر ڈبل رول ادا کرنے کا سہواں روح دماغ متاثر کرنے والا سلسلہ چلا پھر منصف ججسٹریٹ صاحب کی عدالت تیار داری، انتقال نے دل و دماغ ہلا دیئے۔ وظیفہ رعایتی اور منصب کی برسوں کی کاروائیوں کو ہسپتال میں طے کرنے کے بعد جعفری کی شادی کے اسباب پر غور ہی کیا جا رہا تھا کہ والدہ کا پیٹ بڑا اور سخت ہونے لگا۔ یہ بڑا پریشانی کن حواس باختہ کرنے والا مسئلہ بن گیا۔ پیٹ میں عجیب قسم کی رسولی تھی جس کا آپریشن فوری ضروری تھا ورنہ جان کے ضائع ہونے کا ڈر امکان تھا۔ اس وقت کی بہترین ماہر ایڈی ڈاکٹر بی ایم نائیڈر تھی جو گھر پر دو ہزار روپے لیکر دواخانہ چھانیا میں آپریشن کرتی تھی ورنہ دلچسپی نہ لیتی تھی۔ اس وقت کے دو ہزار آج کے سینس ہزار کے فاضل تھے بندہ اس سے بھی زائد۔ کوئی قرض دینے بھی آمادہ نہ تھا، زوال پذیر قوم میں بڑے بے حس افراد نادان ہوتے ہیں، اللہ نے مدد کی۔ وہیں معین الدین سیل نرس کام آئے۔ اس میں شک نہیں ان کو کھلانے، فلم دکھانے، تحفہ دینے روپے خرچ ہوئے لیکن اس شخص نے حق ادا کر دیا۔ اپنی خالہ کہہ کر ڈاکٹر بی ایم نائیڈر کو بتلایا اور دواخانہ میں شریک کروایا، وہ دواخانہ کے اسٹاف سے روپیہ لے نہ سکتی تھی پھر معین الدین سیل نرس کو وہ اچھی لگا۔ سے دیکھتی بھی تھی۔ خیر آپریشن ہوا۔ بالائی خرچہ محنت اور پریشانی نے دماغ ٹھکانے لگا دیا۔ بفضل خدا بعد محنت بسیار والدہ گھر آئیں سعید نے تو جیلانی کو آپریشن سے قبل صرف اس قدر لکھ کر اپنے فرائض سے سبکدوشی اختیار کر لی تھی۔

۲۴/۲/۱۹۷۱، کیمپ، دومہ ڈھول

میرے جواں ہمت بھائی خدا تجھے باقیال دھامراں رکھے۔ آئین۔ محترمہ والدہ صاحبہ کی خرابی صحت کی کیفیت حواس باختہ کر رہی ہے۔ مجھے مالک سے توقع ہے کہ وہ ہمارے آخری سہارے اور ہمارے زخمِ مٹی کے مرہم کو ہمارے لئے مدد سی سال باقی رکھے گا۔ میرے بھائی! پریشانیوں و انکار کی حدود انتہا ہو چکی ہے۔ یہ سچ ہے کہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں اور مجھے اس کا بھی بخوبی احساس ہے کہ تمہارے لئے اس عمر میں جو کہ بے لکڑی دھامراں کا جام بہ دستِ موتی ہے یہ انکار دہندہ تیز معاہدہ و حادثہ ستم ہیں لیکن میرے عزیز! کسی سے شکوہ ہو بجز اس دعا کے تمہارے اس ناکارہ بھائی کے پاس کیا ہے کہ خدا تمہیں ہمت استقامت دے، صراطِ مستقیم

پیر گھڑن رکھے ————— آئین

خیر سید نے آنے سے مجبوری ظاہر کی اور دعا دیکر ہمت بڑھانے خط لکھ دیا۔ اللہ پاک نے فضل کیا کہ اس مرحلہ کو بھی جیلانی نے کامیابی سے طے کر لیا۔ بقول علامہ اقبال جیلانی خودی کو صورتِ فلاں بنا کر جی رہا تھا۔

اس قوم کو کشمیر کی حاجت نہیں رہتی ؛ ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فلاں جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے ؛ حورِ دخیام سے گذر، بادہِ دجام سے گزر آج جیلانی نے اس ماں کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر ماں کی جان بچائی تھی جس نے بحیثیت ماں اسی بیٹے کے بارے میں کہا تھا کہ کیا لوگ سرکاری دواخانہ کی دوا سے اچھے نہیں ہوتے۔ (نگہ ہے تو بچ جائے گا۔) جیلانی شکر خدا ادا کر کے بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز تھا کہ اللہ پاک نے آج اس کو اس قابل بنایا کہ وہ ماں کی جان ان نازک دور اور حالات میں بچا سکا۔

(۳) نمودِ جس کی فرازِ خودی سے ہو، وہ جمیل (علامہ اقبال)

منصف جسٹس صاحب کا انتقال اُزری ہند کے ایک ماہ بعد ہوا تھا۔ اس وقت نظام کی ریاست کے سیاسی حالات بڑے نازک اور خطرناک تھے۔ انڈین یونین نے تمام ہندوستان کی ریاستوں کو ہندوستان میں ضم کر لیا تھا۔ اب صرف نظام کی ریاست باقی تھی، نظام صاحب میر عثمان علی خان، آخری فرمانروا کی غلط اور ذلیل پالیسی نے حیدرآباد کے حالات خطرناک بنا دیئے تھے۔ ادھر ناسم رضوی نے ایک رضا کارانہ تنظیم قائم کر کے سیمیں جوشی ہی جوشی تھا اور ہوش کا پتہ نہ تھا مدبر نہ ہونے کا ثبوت دیا۔ نہ ریاست کو سامن نصیب نہ ریاست طاقت اور قوت کی حامل۔ عثمان علی خان کو اقتدار کا منظر بتلا کر لال قلعہ دہلی پر بھنڈا لہرا دینے کے جوشیلے تقاریر جاری تھے۔ شرفی کاشن ذریعہ ہوائی جہاز نظام کو ہتھیار فراہم کر رہا تھا۔ جو گویا جونیئروں کو جنگ کرنے کے لئے شکر کھلانے کے مثل کام تھا۔ معاشی ناکہ بندی کی وجہ سے تمام اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ کسی وقت بھی ہندوستانی فوج کے حملہ کے امکانات روشن تھے آنے والے حالات قابو سے باہر نظر آ رہے تھے بقول حضرت اقبال۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ؛ ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگ۔ مفاعلات جیلانی کا یہ خواہش اور کوشش تھی کہ جعفری کی شاہی فوری ہوجائے مگر سعید اس کو بھی ٹالنا چاہتے تھے اور مجبوری کا ادا کرنے میں مصروف تھے۔ آخر جیلانی نے سخت رویہ اختیار کیا۔ بڑی مشکل

سے سات سو روپے قرض لیکر واپس لایا اور کچھ ادا ہو ہی نہ سکا کسی قرضہ کی ادائیگی تو اس کے قیمت میں تھی ہی نہیں اب جیلانی کو ڈھائی ہزار کا انتظام کرنا تھا۔ وہ مکان جسکو صفحہ ۲۵۰ نے بیان کیا تھا اور انری کی شادی کے وقت اپنی بہن زینت سے خریدا تھا اس میں کچھ زمین تھی جسکو (دوسری بار) نے بیچ دیا۔ زینت کو دیا تھا مگر اب مکان کی مالیت بارہ سو پچاس کے لگ بھگ تھی۔ جیلانی نے کہا کہ کرایہ آپ اپنی رسید دیکر کرایہ اداں سے لیتے رہیں مگر اسکو میرے نام منتقل کر دیجئے تو دفتر کی انجن باہمی میں کما غفلت مکان رکھ کر شادی کے لئے قرضہ حاصل کیا جائے گا اور بعد ادائیگی قرضہ مکان آپ کے نام رجسٹری کر دیا جائے گا۔ وہ راضی ہو گئی۔ اس زمانہ میں نظام حکومت نے اپنے ملازمین کو کچھ ماہ کی تنخواہ بطور قرضہ دی تھی۔ جیلانی نے وہ رقم لگا کر مکان میں ضروری تریمینٹ کر کے مکان کو "حیدر آباد ٹیکس" اندر مٹی اور پیر چونا کی کھدات کا مصداق بنا کر رنگ و روغن سے آراستہ کر کے ساڑھے تین ہزار کی جبری اپنے نام پر کروا کر کاغذات انجن میں داخل کر کے ڈھائی ہزار قرضہ کی درخواست پیش کی۔ صفحہ دار انجن کو مکان کی مالیت کو جانچ کر رپورٹ پیش کرنے کا صدر نشین انجن نے حکم دیا۔ صفحہ دار رشید نے مکان اس مالیت کا نہ ہر جیلانی سے کہا۔ رشید صاحب کا پیٹ لیکر پشروی سے اور جیب نوٹس سے بھر کر جیلانی نے کہا یہ ایک بغیر باپ کی بیٹی میری بہن کی شادی کا معاملہ ہے گویا سمجھ لیجئے کہ آپ ہی کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ میری تنخواہ سے قرضہ کی رقم وضع ہو جائے گی۔ اب اس نیکی اور کثرت فی شریک ہونے سے اللہ پاک آپ کی دین و دنیا بہتر بنادیں گے۔ پیٹ اور جیب بھر جانے سے ضعیف رشید صاحب کے دماغ میں دنیا و دین کی بھلائی کا خیال بیٹھ گیا اور مالیت مکان تین ہزار قرار دے دی۔ ڈھائی ہزار قرضہ بفضل خدا حاصل ہو گیا۔ جس طرح انری کی شادی کی تیاری جیلانی کو تنہا کرنی پڑی تھی اب جعفری کی شادی کی تیاری خرید و فروخت سے لیکر تمام انتظامات پکوان اور طعام تک اسکو تنہا کرنے پڑے۔ زوال پذیر قوم کے افراد سید میاں محبوب علی اور سید نادر سے یہ سمجھتے تھے کہ دخل دیا کہ رقم کی کمی بنا کر رقم نہ طلب کیجئے۔ کوئی ہمارے کو بانی ہلانے بھی کھڑا نہ تھا بلکہ دسترخوان پر بیٹھ کر بانی طلب کر رہے تھے۔ ان کو طرف بے حوصلہ لوگوں میں سے ہر ایک سے مذہب اسلام اور انسانیت پر چھو رہا تھا کہ اے اپنے آپ کو مسلمان اور

سید نادر سے کہنے والو۔

ترے دریا میں طرانا کیوں نہیں ہے ؟ خودی تری مسلمان کیوں نہیں ہے
سید صاحب تو تحصیلدار صاحب تھے محنت کے غامی تھے کہاں ؟ جیلانی نے ہمت کا دامن تمام اللہ کی رحمت
کا سپہار لئے جعفری کی شادی کے فرائض کا میاب انداز سے ادا کئے اور اپنے بھائی سید اور دیگر ارکان

غذا ان کے ذوق کو علامہ اقبال کے ان دو مصرعوں سے نمایاں کیا۔

نمود جب کی راز خود کا ہے ہر، وہ جیسے : ہر ہو نشیب میں پیدا، قیام دانا محراب

اب جیلانی کی تعریفوں کے پُلِ خاندان کے تمام لوگ باندھ رہے تھے اور دعاؤں کی آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔ زمانہ مسکو کر کہہ رہا تھا — ان خودی اور ایمان سے محروم لوگوں کی تعریفیں کیا اور دعائیں کیا؟ — فلک ماں کی دعائیں اور تعریفیں سن کر پوچھ رہا تھا اے محترم خاتون! وہ وقت بھی تھا کہ اس زردبکی جان کی پرواہ نہ تھی بلکہ دخترِ کلاں کے چہلہ کے غیر مسلم رسومات کی ادائیگی میں غلط اتناز سے روپیہ برباد کر کے اس بیٹے کے ساتھ کس بے رحمی کا برتاؤ تم نے کیا اور موت اور حیات کے صواب دید پر تم نے اسے چھوڑ دیا تھا؟ کیا اس کا حساب برذرِ حشر تمہیں دینا نہیں ہوگا۔ ضرور دینا ہوگا۔ میری نصیحت ہے کہ علامہ اقبال کی آواز نصیحتِ حسن اور نیکہ کے لئے اپنا رویہ دکر دار کی حفاظت کر۔ وجود کیا ہے فقط جو ہر خودی کی نمود و کراہتی فکر کہ جو ہر ہے بے نمود ترا

اکبر الدین، وقار الدین بونت انتقال منصف

سعد اور چھوٹے برادران کی تعلیم

سید اور پھر لے برادران کی تعلیم

جہاں یانچم میں زیر تعلیم تھے بعد انتقال بھی جیلانی نے ان کے لئے ٹیوٹر رکھا۔ پھر بھی میٹرک میں فیل ہوئے۔ خیر ایک وقت آیا کہ کامیاب ہو کر کالج میں آئے تو سید نے جیلانی سے پوچھا "جیلانی! اکبر محبوب میٹرک پاس کر لینے کے بعد بھی ارگے کالج میں پڑھائے میں نہیں جانتا کہ کب تک تمہاری ہمت ساتھ دیگی۔ جیلانی نے جواب دیا جب تک اللہ کی مدد ساتھ رہے گی۔ جیلانی کی مکمل تحفہ تقریباً قرضہ کی ادائیگی باندھ دی گئی تھی۔ صرف چالیس روپے بچ رہے تھے والدہ کی منغب و دلیفہ حسن خدمت اب جنت ثابت ہو رہے تھے جسکی اجرائی کو سید نے غیر ضروری بتایا تھا۔ اب سید چاہتے تھے کہ اگر اکبر و محبوب نوکر ہو جائیں تو مالانہ سید صاحب جو پہلے (۷۵) پھر سو روپے روانہ کر رہے تھے اب سو سو روپے اس رتبہ روانہ کیا تھا اس سے وہ بچ جائیگے۔ افسوس جیسی نیت تھی قدرت نے ایسا ہی کیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے رقم روانہ کرنے سے محروم ہی ہو گئے مگر بفضل خدا چھوٹے بھائیوں کی تعلیم جاری رہی۔

(علامہ اقبال)

(۴) کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں

آخر ریاست حیدرآباد اور نظام خاندان کے زوال کا وقت آ گیا اور پولیس ایکشن کے نام سے انڈین یونین کی فوجیں نظام کی حکومت میں داخل ہو گئیں اور مسلمانوں کی زندگیوں میں زلزلہ آ گیا۔

کئی کی نوکریاں جاتی رہیں۔ کئی بھوکے مرنے لگے۔ کئی جانیں تلف ہوئیں۔ مسلمان معصوم بچے موت کے گھاٹ اتر گئے کئی مظلوم عورتوں کی عصمتیں برباد ہوئیں۔ گھر لوٹ لئے گئے۔ اطمینان دسکون کا قحط پڑ گیا۔ مصائب بادل بن کر آسمانوں پر چھا گئے۔ مسلمانانِ حیدر آباد اور ریاست نظام کے لئے بقول علامہ حالتِ یہ ہوئی کہ۔

زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں ؛ کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں

(۵) مردِ حُر زنداں میں ہے بے نیرہ و شمشیر آج

(علامہ اقبال)

سعد مریاں گورہ سے بھاگ آئے | اس دقتِ سعید تحصیلداری مریاں گورہ
ضلع ٹنگڈو میں تھے۔ جوں ہی ضلع میں
فوجیں داخل ہوئیں، سعید بر بلاءِ خوت بھاگ کر حیدر آباد آگئے۔ اب پریشانیوں اپنی انتہا پر تھیں۔ ایک
رات پریس اسٹیشن میرچوک گھر پر آئی اور سعید کو ساتھ لے گئی۔ یہ ایک تکلیف دہ حادثہ تھا۔ سوڈانِ ریح
اور دل درمناغ ملاوینے والے۔ گھر پر ایک سکتہ تھا۔ مگر اب سعید کو حراست میں جا کر دیکھنے والا
اس سے ملنے والا اور اس کی پیروی کرنے والا خاندان میں کوئی نہ تھا۔ سید میاں ان کے ساتھ رہنے والے
اور دوست کہلانے والے ان کا نام بھی نہ لیتے تھے نہ کوئی عزیز۔ سب اپنی عزت اور جان کی خیر
مناسبت تھے۔ آخر جیلانی ایک ایسا دیوانہ تھا جس نے میرچوک اسٹیشن پر جا کر دریافت کیا۔ سعید کہاں
ہیں۔ جراب دیا گیا کہ حوالاتِ سیف آباد روانہ کر دیا گیا ہے۔ اب نہیں صبح جا کر مل سکتے ہو۔ وہ رات تمام
نیند سے محروم لیٹے لیٹے کودتیں بدلتی کبھی اٹھ کر ٹہلتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے تو چاہئے والا کوئی نہیں حتیٰ کہ ماں
کی جمع کو بھی اس نے بچپن میں کمزور کیا تھا اس کے بھائی نے تو اس کے مستقبل کا کوئی خیال ہی نہیں کیا تھا۔
آخر اسے اس بھائی اور خاندان سے محبت اس قدر بے حسنی کیوں۔ ؟

علامہ اقبال کے اشعار اس کی زبان پر آنے لگے۔

میں جو ششِ اضطراب سے سیما باری بھی ؛ آگاہِ اضطرابِ دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا ؛ احساسِ دے دیا تجھے اپنی نگہِ آرا کا

یہ آگہی مری تجھے رکھتی ہے بے قرار ؛ خوابِ سیدہ اس شر میں ہیں آتشِ کدے نثار

جیلانی نے مشکل سے صبح کو اور سیف آباد حوالات پہنچا، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے جب کہ اس
نے اپنے بھائی کو سلاخوں کے دروازے کے پیچھے دیکھا۔ تحصیلدار جن کے ہاتھ میں تحصیلداری کے اختیارات

کی شمشیر اور تلہ بصورت نیزہ رہا کرتا تھا آج اسکا بے بسی کہہ رہی تھی یا خوردہ غلامہ اقبال کی زبان میں اپنی زبان خاموش سے کہہ رہا تھا۔

اک نفاں بے شر پسینے میں باقی رہ گئی ؛ سوز بھی زحمت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی!

مرد خوردہ زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر کج ؛ میں پشیمان ہوں پشیمان ہے مری تدریجی!

جیلانی اور سعید دونوں نے اپنے اپنے دل بھالے گفتگو کی۔ ابھی تک کھل کر سامنے نہ آئے تھے کہ وجہ گرفتاری کیا ہے پھر سعید کو مرزا گوڑہ اسکے مستقر جہاں اس نے تحصیلداری کی تھی لجا یا گیا۔ اس زمانہ میں مرزا گوڑہ ہی کیا مکمل ضلع ننگر گوڑہ کیونستوں کے مظالم کے پیچہ و گرفت میں تھا۔ پھر پولیس ایکشن کے بعد ہندو خود افلاخ میں متعصب ہو کر مسلمانوں کو رفا کار کہنے لگے اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ جیلانی نے بلا خوف اللہ کام لیکر مرزا گوڑہ میں قدم رکھا۔ جیل کے مہتمم کو سعید سے ملنے کے سلسلہ میں درخواست دیگر اجازت ملاقات حاصل کی۔ سعید کو جیل کے باہر کے حجرے میں لایا گیا جیلانی آبدیہ ہو گیا جب بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو اسے محسوس ہوا کہ وہ شاعر مشرق کی زبان بنا کہہ رہا ہو۔

وہ دن گئے کہ قید سے میں آشتی نہ تھا ؛ زیب درخت طور میرا آشتی نہ تھا

قیدی ہوں اور قفس کو چین جانتا ہوں میں ؛ غربت کے غمکے کو وطن جانتا ہوں میں

یاد وطن افسردگی، بے سبب بنی ؛ شوق نظر کبھی، کبھی ذوق طلب بنی

گفتگو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ظالم حکومت نے سعید پر ہر وہ الزام لگایا ہے جس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ (۱) زنا بالجبر (۲) آتش زنی (۳) رشوت (۴) سرکاری رستم میں تصرف (۵) رعایا پر ظلم و ستم۔ جیلانی نے کہا یہ صرف الزامات ہیں اولاً تو انشاء اللہ ثابت ہی نہ ہونگے اگر غلط انداز سے ثابت کئے جائیں تو مقدمہ تو عدالت میں چلے گا آپ انشاء اللہ کامیاب اور بری ہو جائیں گے۔ جیلانی مشہاب الدین بیرسٹر سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتا تھا ان کے مشورہ سے جیلانی نے مہتمم سمی۔ اکیڑی براہ رخ اور اس کے مددگار وینکٹ رامیا سے جہاں کیس زیر تحقیقات تھا کئی ملاقاتیں کیں۔ دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کو انتظار کرنا چاہیے کہ کیس زیر تحقیقات۔

(۶) محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات (علامہ اقبال)

سعید مرزا گوڑہ جیل میں نظر بند تھے۔ سید زائدے جو پولیس ایکشن تک

شمس آباد یا بنگاؤ کے تحصیلدار تھے آج خود بھی پریشان تھے اور سرکار کو بھی

پریشان کر رہے تھے جو دو گینڈی کے دور تحصیلداری کے زمانہ میں بڑے بڑے

مفسدی بیگم کے شوہر

نے طوفان مچا دیا

بھوٹی کے ہوٹلوں میں قیام فرماتے، سسرال میں قیام ان کے شایین شان نہ تھا۔ اس دور تحصیلداری میں ان کا دماغ آسٹریا کو بھی پہنچا تھا۔ آج ان کی پریشانی اُہ دزاری ناقابلِ دید اور باعثِ عبرت تھی۔ پولیس ایکشن کے بعد جاگیردار اور پانچواں ختم کردی گئی تھیں یہاں کے ملازمین کی راجحہ کسی عہدہ پر اپنے پاس ختم کر لینا چاہتی تھی یا انہیں گھر بٹھادینے پر غور کر رہی تھی۔ پولیس ایکشن نے غلامی کا طوق تو پہنا ہی دیا تھا اب اندیشہ بقول علامہ اقبال ”گزنا رخاغات“ بن کر انہیں ناچار ہا تھا۔ زمانہ تحصیلداری کے مظالم ان کے سامنے بھرت بن کر آ رہے تھے زمانہ تحصیلداری لاداسنگوٹا میں جب یہ تحصیلدار تھے وہاں انہوں نے ایک موقع پر فائرنگ کا حکم دیا تھا۔ اس کے لئے یہ تو خود پریشان تھے حالانکہ بڑا طویل عرصہ گزر چکا تھا اور ان کے ملنے والوں نے انہیں اور پریشان کیا کہ ان کی گرفتاری کے احکام نکل چکے ہیں اور وہاں کی رعایا جن کے متعلق فائرنگ میں مر گئے تھے وہ خود انہیں گزنا کر دے جیڑ آباد آئے ہوئے ہیں۔ سید تو زبردست رہ کر بھی مستقل راجہ کا ثبوت دے رہے تھے یہ سید زادے مکان میں بیٹھے کپکپا رہے تھے اور خود کشی کر لینے کی سوچ رہے تھے۔ منصف جسٹس صاحب کے بعد سے گھر کا ماحول لگا تار پریشانیوں سے بھرپور تھا پھر سید کی گرفتاری نے ماحول کو اتنا درجہ الٹا کر دیا تھا۔ جیلانی نے سید زادے کو مدرس چلا جانے کا مشورہ دیا۔ جواب ملا کہ اگر میں گھر سے بھی نکلوں تو ذی پولیس اور لاداسنگوٹا کے لوگ مجھے پکڑ لینگے ناپسلی اسٹیشن پر بھی پولیس میری تلاش میں ہوگی اس گھر میں بھی پولیس آجائے گا مجھے قوی اسلحہ ہے۔ جیلانی پاشا آپ ہی فائدہ مند ہیں جو کچھ کرکے ہیں اس گھر میں بھی مجھے خطرہ ہے۔ خیر بازو کے ایک خالی گھر میں انہیں رکھا گیا۔ جعفری کے گھر عثمان پورہ سے ٹیکسی کو بارہ بجے رات آنے بات کی گئی۔ جیلانی نے اپنی والدہ کو پہلے ہی جعفری کے گھر میں چھوڑ دیا تھا۔ سید زادے کو رات کے بارہ بجے کرکشا میں پردے لگا کر عثمان پورہ لے جایا گیا۔ جیلانی نے اپنے ایک دوست قطب الدین کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ والدہ اور قطب الدین اور میدری بادشاہ کو لے لے جیلانی ٹیکسی کو پردہ لگا کر محبوب نگر اسٹاف کے گھر پہنچا اور وہاں سے مدرس جانے والی ٹرین سے سید زادے کو قطب الدین کے ہمراہ مدرس روانہ کر کے جیلانی والدہ کو محبوب نگر سے لے جیڑ آباد واپس ہوا۔ سید زادے نے راستے میں بھی قطب الدین کو کیا فی پریشان کیا قطب الدین کا بیان تھا کہ سید زادے جہاں پولیس کو دیکھتے قطب الدین صاحب پولیس آگئی کہہ کر ہاتھ بکڑ لیتے۔ ایک پولیس کا جران ڈبہ میں داخل ہوا، سید زادے کپکپا رہے لگے اور قطب الدین کے ہاتھ پکڑ کر ”بچاؤ“ کہنے لگے۔ قطب الدین نے ڈرایا اور کہا یا کہ وہ خود سفر کرنے کے لئے ڈبہ میں چڑھا ہے آپ کی یہ حرکات آپ کے ساتھ مجھے بھی گزنا کر دے گا۔ آنکھیں بند کر کے سجالے۔ بڑی شکل سے مدرس پہنچے۔ وہاں بھی انگوٹھی کا گینہ نیلم کھا کر خود کشی کرنے کی سوچنے لگے۔ انگوٹھی لے لی گئی، پھر مدرس کے سمندر میں گر جانے کی

سوچنے لگے علامہ اقبال نے سچ کہا ہے۔

آن زاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت

آن زاد کا اندیشہ حقیقت ہے سنور

جیلانی نے مکمل تحقیقات کیں۔ کوئی گرفتاری کے احکام ان کے خلاف نکلے پاتے تھے اور نہ کوئی کارروائی

ہی زیرِ دروان تھی بلکہ پائیگاہ کے کم عمر تحصیلداروں کو حکومت نے پیشکاری پر لینا طے کر لیا تھا۔ ان سید زار سے کام نام بھی پیشکاری محبوب نگر کی فہرست میں تھا۔ پیشکار یعنی تحصیلدار کا مدنگار۔ گواہ یہ خدمت تندر لکے ساتھ سہمی قابلِ وظیفہ تھی اور تنخواہ پائیگاہ کی تحصیلداری سے زائد تھی اور گھر میں بیروزگار رہنے سے بہتر تھی۔ اطمینان اور مکمل سلامات کے بعد جیلانی طوفانی دورہ کی شکل میں مدراس پہنچا اور سید زار سے کوٹھوایا قسیم کھائیں یقیناً دلایا صحیح حالات سے واقف کروایا اور آخر کار محبوب نگر کی پیشکاری پر رجوع کروایا۔ جو وہ نائب تحصیلداری تک پہنچے۔ اب سید زار سے کٹا ہوا زندگی ختم ہو گئی تھی رشوت برائے نام یہاں بھیک کی طرح مل رہی تھی۔ غم انہیں کھائے جانے لگا۔ ذرا بطیس کی بیماری میں مبتلا ہو گئے اس بیماری نے گھلا گھلا کر دینا واس قدر لاغر کر دیا کہ تحصیلداری کا گزشتہ دوست تحلیل ہو کر رہ گیا صرف پٹریں پر گویا پوسٹ رہ گیا تھا۔ ہمیشہ زمانہ سے شکوہ شکایت اور ماضی کی کہانی زبان پر رہتی تھی۔ آمدنی کافی زیور سب فروخت ہو چکا، ذاتی مکان کبھی خرید نہیں، پانچ بیٹیاں چار بیٹے، کسی کا کئی مستقبل نہیں۔ بعض اوقات اپنے سارے جیلانی سے کہتے۔ اگر میں فصولِ خرچی کے بعد بھی رکھتا چاہتا تو ستر ہزار روپے آج ضرور رکھتا جو آج کے کئی لاکھ ہوتے، مجھے کیا معلوم تھا کہ تقدیر مصیبت کے یہ دن مجھ پر لائے گی۔ تقدیر کا رونا رونے والے کے بارے میں علامہ اقبال نے سچ فرمایا ہے۔

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر

ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورشد

(۷) یہ کافری تو نہیں کافری سے تم بھی نہیں (علامہ اقبال)

سید کا حراست اور گھر کی پریشیاں اپنی انتہا پر تھیں سید

زار سے کو مدراس سے لا کر پیشکاری محبوب نگر بہر جوع کروایا

گیا۔ اب سید زار سے کایک کارڈ محبوب نگر سے آیا کہ محمدی

زوال پذیر مسلمان قوم
اور تو ہم پرستی

اسکی بیوی شدید علیل ہیں زندگی کی امید واقع نہیں۔ پھر ایک کارڈ کچھ ہی دیر بعد وصول ہوا کہ انتقال ہو گیا اور دفن بھی کر دیا گیا۔ جیلانی نے یہ اطلاع والدہ سے چھپائی اور طوفانی انداز سے ذریعہ سبب محبوب نگر بھاگا

اور رات کے دس بجے محبوب نگر پہنچ کر جب گھر میں داخل ہوا تو مفسدی بیگم صحن میں بیٹھی تھی اسکو دیکھ کر قہقہے لگانے لگی۔ معلوم ہوا کہ کوڑا کڑی کو دیکھا تھا تو اس طرح کا ٹوٹکا ضروری تھا۔ گویا کسی کی جان گنئی اور ہماری ادا ٹہری۔ جیلانی نے سید زادے سے پوچھا آپ کے بھائیوں کو آپ نے کیوں نہ نکھا جواب دیا وہ کیوں پریشان ہونے لگے۔ پریشان ہونا ہی ٹوٹکا ہے۔ یہ سنگدل جب اپنے پر مصیبت آتی ہے یا آنے کا گمان بھی ہوتا ہے تو خود ہی پریشان نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کو پریشان کرتے ہیں اور دوسروں کی مصیبت اور پریشانیوں کا احساس نہیں رکھتے۔ تو ہم پرستی میں گرفتار رہتے۔ ٹوٹکا کر کے اس پر بھروسہ رکھتے اللہ کی تقدیر پر انہیں بھروسہ نہیں رہتا۔ تو ہم پرستی نہ صرف دل کو مرہ کر دیتی ہے بلکہ شرک میں مبتلا کر کے ایمان سے محروم خدا سے دور کر دیتی ہے تو گویا مسلمان بے لرح بن کر زندہ نظر آتا ہے اللہ اک ایسے بے روح انسانوں سے بیزار رہتے ہیں جیسا کہ حکم الامت فرماتے ہیں۔

تن بے روح سے بیزار حق ؛ خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے
خرد نے کہہ بھی لا الہ ترکیا حاصل ؛ دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
دل مرده، دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ ؛ کہ یہی ہے استوں کے مرض کہیں کا چارہ

(۸) چمن میں گل چلیں سے غنیمت کھتا تھا اتنا بیدار کیوں ہے انساں؟ (عزیز اللہ)

جیلانی کو اس کم عمری میں چین نہیں تھا۔ لگاتار کام مصائب پریشانیوں۔ خانان کے ہر فرد کے مصائب کو یہ دیوانہ اپنے مصائب سمجھا ہوا تھا۔ قدرت کے ازل کے قلم نے گویا اسکو خانان کے زور خواہوں میں کھنکھ سب کا رونا اسے لگادیا تھا۔ بقول حضرت آباء۔

دیا رونا مجھے اب کہ سب کچھ دے دیا گویا ؛ نکھا کلک ازل نے مجھ کو ترسے زور خواہوں میں
مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستان کا ؛ وہ گل ہوں میں خزان ہر گل کی ہے گویا خزان ہر گل

جیسا کہ جیلانی کے بھائی سعید نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ ”میرے بھائی پریشانیوں و افکار کی حد و انتہا ہو چکی ہے اور مجھے اس کا بھی بخوبی احساس ہے کہ تمہارے لئے اس عمر میں جو کہ بے لکری و کامرانی کا جام بہ دست ہوتا ہے یہ افکار زندقہ و تیز مصائب و حوادث ستم ہیں۔“ سید زادے کی چکر میں رہ کر جیلانی سعید سے ملتا کر کسانہ تحقیقات کے بارے میں معلومات کر سکا۔ اسی الجھن میں اس نے سید میاں سے کہا ”سعید کے ساتھ ساتھ رہے دوستی کے بھی دعوے تھے، سعید کو جیل جاکر جینوں ہو گئے۔ سعید کو کبھی مرزا لگوڑہ جیل کبھی ننگت لڑہ جیل کبھی حیدر آباد سنٹر جیل چنیل لگوڑہ میں رکھا گیا مگر آپ نے آج تک ایک بار بھی تین دشتے یعنی درست، ماموں زاد بھائی اور حقیقی سائل سے ملاقات نہیں کی اور نہ تحقیقات جوہری ہے اس کے بارے میں معلومات کیں۔ خصوصاً

جبکہ میں سید زادے کے سلسلے میں مصروف تھا، جیلانی کی حیرت کی حد دانتہا نہ رہی جب تک سید میاں نے ایک بڑی آواز نکالی اور چیخا کہ "لو بڑا بہت بڑھ گیا ہے اگر کچھ کرنا ہے تو دوسروں پر احسان بتا لے" پھر اس نے سختی طلب ہو کر کہا "مومانی ماں آپ نے جیلانی کو بہت بڑھا دیا ہے" جیلانی کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ماں نے سید میاں سے یہ تک نہیں کہا کہ میاں! تم لوںڈا کس کو کہہ رہے ہو وہ تو مصائب سے ٹکرا کر نکلا تھا گھٹ گیا ہے۔ پھر اس نے بات ہی کی مری کہی تھی اور میں نے اسے کیا بڑھا دیا ہے جبکہ وہ رات دن مہلت کا شکار ہے" شاید بادشاہ حمی الدین کے واقعہ کے بعد انوری کو سید میاں نے جو قبول کر لیا تھا ماں اسی کو غنیمت سمجھ رہی تھی۔ جیلانی نے سوچا یہ کام کا وقت ہے اور میں بھی سید میاں اس گھر کا پروردہ تھا اور ہمیشہ ہر ایک سے نرم گفتگو ہی کرتا تھا جب سے بادشاہ حمی الدین کا واقعہ ہوا اور اس نے الہی کو پھر قبول کر لیا اب اسکی آواز گھروالوں پر ادبھی گھل رہی تھی مگر محبوب علی کے سامنے اس کی کچھ نہ چلتی تھی جب کہ وہ انوری کو گور گور کر دیکھتا اور بیان دیکھنے پر انگلی پکڑ لیتا تھا۔ اسی سلسلے میں اس نے محراب علی کی شکایت خود جیلانی سے کئی بار کی تھی اور آج وہی سید میاں جیلانی سے اس انداز سے مخاطب تھا گویا وہ کسی ذکر نہیں بلکہ چمکے سے گفتگو کر رہا تھا۔ جیلانی کے والد کے قول کے مطابق وہ ایک حیا شاد و رشاقی باپ کا لڑکا تھا تو احساسِ فرائض کہاں سے لاتا۔ وہ ہی نہیں بلکہ اس کی ماں بھی جیلانی کے باپ کے رویہ سے پرورش پاتی رہی اور آج جب سید میاں پر حق نمک ادا کرنے اور انسانیّت اور شرافت کے مظاہرہ کرتے کا وقت آیا تو وہ خود غرضی اور جیسی کا منظر اور مجسم نظر آنے لگا۔ قدرت جب کسی فرد یا زوال پذیر قوم پر عذاب و قہر نازل فرمانا چاہتی ہے تو اس سے خودی اور قوت جس اور اس جبین لیتا ہے تاکہ دائمی ذلت اس کا مقدر بن جائے۔ اس شخص کی موت کس قدر بھیانک اور عبرتناک حالت میں ہوئی جلد دم میں آئے گا۔ علامہ اقبال بڑے درد سے فرماتے ہیں۔

وائے ناکامی مآثر کار و ال جاتا رہا
کار و ال کے دل سے احساسِ نیاں جاتا رہا
خودی ہو علم سے حکم تو غیرت جبریل
اگر ہر عشق سے حکم تو صورِ اسرافیل
نظر نہیں تو مرے خلقِ سخن میں نہ بیٹھ
کہ تکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ پھیل

تیرھواں باب

(۱) ہر دل مئے خیال کی مستی سے پتور ہے (علامہ اقبال)

اب جیلانی طوفانی رستا سے محراب نگر کی دالپسی اور سید میاں کی نامعلوم گفتگو بعد سنٹرل جیل
جیل گزرا کر وہ میں سید سے ملا۔ پھر سید کو نگلنڈہ لے جایا گیا۔ تحقیقات میں تو کچھ ثابت ہو ہی نہیں رہا تھا مگر چونکہ
گفتگو کیا گیا تھا حکومت چاہتی تھی کہ ایک ہی جرم سہی عائد کر کے مقدمہ چلائے۔ سید نے جیلانی سے کہا کہ
باری انسپکٹر پولیس کو ساڑھے تین ہزار روپے پہنچانے کی کوشش کرو۔ بڑا اہم مسئلہ تھا۔ جیلانی کی تنخواہ تو جعفر
کے قرضہ میں وضع ہو رہی تھی صرف چالیس روپے بچ رہے تھے۔ آخر مجھ نے ایک زیور سیچ کر تین ہزار روپے
شوہر کو جیل سے رہا کرانے دیئے۔ ہاں اسی مجھ نے۔ جس پر سید سوتن لائے تھے۔ اسی مجھ نے۔
جسکی زندگی اس اور نندوں نے غیبتیں کر کے دھجھ کر دی تھی بلکہ سید کو اس نیک خصلت عورت پر سوتن لانے
کا اشارہ اسکی ماں نے اپنی بیٹی انوری اور داماد سید میاں کے سمجھانے سے دیا تھا یعنی اسی جینا کو سوتن بنا کر
لانے کا مشورہ جسکو بدکردار اور بدچلن بتلا کر مجھ کو ہوجا کر لائے تھے۔ طے ہوا کہ پانچ سو کی کمیل کے لئے جینا سے کہا
جائے کہ وہ گلے کا ٹکس دیدے تو جینا نے کہا کہ سید بھی رہا نہ ہو اور نکلس بھی چلا جائے تو کیا ہوگا۔؟
اس کی اس حرکت پر نہ صرف سید بلکہ سید کی ماں اور بہنوں نے اس سے ہمیشہ کے لئے گلو خلاصی کا فیصلہ کر لیا۔
اب دیکھنا ہے کہ سید رہا ہو کر اپنے فیصلہ پر کس حد تک قائم رہتے ہیں؟ قدرت ایسا وقت لاتی ہے کہ حقیقت
نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید علامہ اقبال نے گویا حسب ذیل اشعار مجھ جیسی فرشتہ
خصلت بری ہو اور بھادرج بوشع بن کر خورجل رہی اور سب کو روشنی دے رہی تھی اسی کے لئے کہے ہوں۔

ہوشع بزم عیشی کہ شمع مزار تو ؛ بہر حال اشک غم سے رہی بہکنار تو

ہے شان آہ کی ترے دور سیاہ میں ؛ پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گلہ میں

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں ؛ میں ہے اور سوز دلوں پر نظر نہیں

جینا اور مندوں دس اس محترم جنہوں نے غیر صحیح جذبات اور غیبتوں کے سبب کھول مجھ نیک خصال کا زندگی برباد
کرنے کی کوشش کی تھی حکیم الامت ان کی گویا این تعریف فرماتے ہیں۔

اقبال یہاں نام نے علم خودی کا ؛ مزدوں نہیں مکتب کیلئے ایسے مقامات

بہر دل میں خیال کی مستی سے چرہ ہے ؛ کچھ اور آج کے کلیموں کا طور ہے
بادہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا ابھی ؛ رہتے دردِ غم کے سر پہ تم خست کیسا ابھی

(۲) آزاد مجھ کو کر دے ادبِ دکر کرنے والے

(علامہ اقبال)

سید کے حسبِ ہایت ان پکڑ باری کو تم پہنچا کر سید کو اطلاع دیدی گئی۔ سید کے کہنے پر پھر ان پکڑ باری سے جیلانی نے ملاقات کی تو باری نے کہا کہ تحقیقات میں کچھ ثابت نہیں ہوا۔ رپورٹ دیدی گئی ہے کہ مقدمہ تو چلایا نہیں جاسکتا احکام کے آتے ہی مختصر رہائی عمل میں آئے گی۔ سید کا بچپن گورنمنٹ ہائیڈرو پلانٹ میں ہی بسر کیا تھا۔ ادھر عید الفطر آئی تھی والدہ سید بے چین تھیں، کچھ ماہ کا عرصہ گزارا، بڑے ہو چکا تھا۔ سید خود بقول حضرت اقبالؒ یہ حال ہو گیا تھا کہ

کیا بد نصیب میں ہوں گھر کو تیریں رہا ہوں ؛ ساقی تو میں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار کلیاں بھولوں کی ہنس رہی ہیں ؛ میں اس اندھیرے گھر میں سمت کو رو رہا ہوں
اس قید کا الہی دکھڑا کے سُندان ؛ ڈر رہے ہیں نفس میں غم سے مر رہا ہوں
جب سے چین بھٹکا ہے یہ حال ہو گیا ہے ؛ دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
آزاد مجھ کو کر دے ادبِ دکر کرنے والے ؛ میں بے زبان بے قیدی تو چور ڈکڑ دے والے

جب جیلانی کو پتہ چلا کہ یہ کاروائی دیکھ کر رامیا اسٹیٹ سپرٹنڈنٹ سسی آئی ڈی براؤن کے ہال میں وہ اپنے دوست قطب الدین کو لیا اس کے گھر کا پتہ معلوم کر کے بعد مغرب گھر پہنچا اور عید کی آمد والدہ کی بے چینی اور سید کی رہائی کی خواہش اور عاجزانہ درخواست کی۔ دیکھ کر رامیا نے برہم ہو کر سوال کیا تم اس وقت میرے گھر کیوں آئے کہیں تمہیں گرفتار کر لیا جائے۔ جیلانی اور قطب نے مل کر گیسو آواز میں سید کی والدہ کی ضعیفی اور بیماری اور بیکاری کا ذکر کیا۔ شاید اسے جیلانی اور قطب کی کم عمری پر اور والدہ کے حالات کہنے پر رحم آگیا، کہا: بابا! اس طرح ہمارے گھر آجانا ٹھیک نہیں کیا کیسے کر گویا تم نے کچھ دیا اور ہم نے کیا ہے۔ دیکھو سید کی حالت میں جا کر بغیر سیدھی پئے باہر آجاؤ تو لوگ تو پی کر نکلتے ہیں کہیں گے — ہے نا؟

ہم نے معافی چاہی اور کہا آپ سچ (ماتے ہیں ہمارے پاس ہے کیا جو ہم کسی کو دے سکیں؟
ہاں اور کہا جاؤ اور اطمینان کے ساتھ جاؤ۔ خدا نے اس کا دل نرم کر دیا تھا، دوزخ میں کا روائی مشکل ہو گئی
تیسرے روز سید رہا ہو کر خود سے گھر پر آئے۔

(۳) جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو

علامہ اقبال

ریاست سیدہ آزاد یعنی نظام دور حکومت کا مسلمان اس قدر ناکارہ آرام طلب اور تن آسان ہو چکا تھا کہ نہ کسی فن سے واقف تھا نہ تجارت ہی کے لئے اہل تھا۔ محنت سے عاری۔ سلامت روی اور شرافت دور اندیشی سے نا آشنا۔ امیر پائیگاہ، جاگیردار منصبدار، حاکم دارالریہ دار اور قرضدار ہر حال دار پر چڑھا زندگی اور موت کی کشمکش میں رہ کر اپنے کو زندہ سمجھ رہا تھا۔ بقیہ مسلمانوں کی اکثریت کا پیشہ ملازمت تھا چاہے وہ سرکاری ہو یا جاگیردار پائیگاہ کی یا بالکل خانگی۔ ایسے بھی تھے جو بالکل ناکارہ ہی ناکارہ بن کر کسی پر لڑ بھبھ بنے بھر رہے تھے۔ علامہ نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو ؛ نہیں جس قوم کو پردائے شمیم تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرم تم ہو ؛ بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مرنے تم ہو
ہر کوئی مست ہے ذوقِ تن آسانی ہے ؛ تم مسلمان ہو ؟ یہ انداز مسلمان ہے

ان حالات میں سیدہ جیل سے رہا ہو کر گھر آئے تھے۔ تعزیرات کے جرائم ثابت نہ ہونے کی بنا پر رہا تو ہو چکے تھے مگر انتظامی

سعید کی ملازمت درخواست

شکنبہ میں سیکڑ کر ملازمت سے علمدہ کر دیا گیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ مرزا کوٹہ جو کیونٹنوں کا علائقہ تھا۔ کیونٹنوں نے غریبوں کی بھرپور پیڑیاں جلا دی۔ تعلقہ دار معظم جس نے سنتے ہی مرزا کوٹہ کا دورہ کیا اور میری کی رقم میں سے ذکا ان معیبت زدہ غریبوں کی مدد کا زبانی حکم دیا۔ سعید نے تحریری حکم چاہا کہ میں مستقر پر پہنچ کر رہانہ کر دوں گا کہ پولیس ایکشن ہو گیا۔ سعید کے ساتھ معظم حسین بھی گزرتا ہوئے تھے انہیں زبانی حکم دینے کا اقرار تھا اور تم لینے والوں کی مثل قائم تھی رتم لینے والوں کو رتم لینے کا اتنا تھا لیکن زبانی حکم دینے اور زبانی حکم کی تعمیل کرنے کی بنا پر سعید اور معظم حسین دونوں ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح بعد پولیس ایکشن مسلمانوں پر مظالم کرنے کے بہانے ڈھونڈ کر انہیں پریشان کیا جا رہا تھا۔

سعید نہ کاروبار کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے نہ خانگی ملازمت

مل سکتی تھی۔ البتہ عاشقی دہراہو سی کرنے کے فن میں ماہر تھے۔

سعید میدانِ عمل میں

تلم کے ذریعہ وہ ماں باپ، بھائی بہن اور میری کے حقوق ادا کرنے میں جہارت رکھتے تھے۔ حیات کا نقدان تھا۔ غل اور محنت کے فلسفہ سے نا آشنا۔ خود غرضی شیوہ حیات نفس پرستی خدا پرستی سے نا اہل انکے لئے اہمیت کی حامل۔ جو ان کے لئے زبانی کراتت نکل جانے پر طوطا چاشمی سے کام لینے میں جہارت

رکھتے تھے بقول علامہ اقبال عمل کے ہر موقع پر ان کا یہ حال تھا کہ — ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو۔

(۴) تھے ہمیں ایک تہہ معرکہ آراؤں میں (علامہ اقبال)

بڑی پریشانیوں کا سامنا تھا۔ جیلانی کی تنخواہ اس کی چھٹی بہن کی شادی میں لئے ڈھائی ہزار کے قریب دس سو روپے تھی۔ اب سترہ سو قرض باقی تھا۔ نجمہ نے ایک زیرِ ذرقت کر کے سترہ سو جیلانی کر دیئے۔ جیلانی نے بطور قرض وہ رقم لے کر دفتر میں داخل کیا۔ اب جیلانی کی تنخواہ گھر میں آنے لگی۔ والدہ کا ذہنیہ رعایتی معرگانی الاؤنس دمنصب جو جیلانی نے طوفانی پیردی کر کے جاری کر دئے تھے وہ (۷۵) روپے اب نعمت نظر آ رہے تھے جن کی اجرائی کیئے سید نے پیردی کے مشکلات ظاہر کر کے بڑی بے نیازی سے کہہ دیا تھا کہ اس کی کیا ضرورت ہے کیا ہم مرگئے ہیں؟ آج سید مرے تو نہیں مگر زندہ تھے مگر خدا جانے کن کن اعتبار سے مر چکے تھے۔ ان پریشان کن حالات میں ایک گرجیٹ سید کے لئے روشن کر رہی تھی۔ علامہ اقبال نے کس قدر سچ فرمایا ہے۔

وہ کلی کے غم و عیشیہ بے کج و حق نہیں رکھتا ؛ جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

ابراہیم نامی ایک شخص نے مشورہ دیا کہ ریڈی میڈ کے کاروبار بہتر رہیں گے۔ رتہ کہاں تھی۔ جیلانی نے خالیہ جسکو وہ ماں پکارتا تھا کہا یا کہ سید باسکل لا چاری کے عالم میں ہے۔ اگر آپ مکان زرخیز کریں تو ماہانہ کرایہ جو مکان کا آ رہا ہے وہ آپ کو جیلانی دیا کرے اور آپ مکان کی مرمت اور ادائیگی سے بھی بچ جائیگی۔ وہ راضی ہو گئے۔ مکان جو بیس سو روپے میں زرخیز ہوا۔ جیلانی نے سترہ سو روپے نجمہ کو واپس کر دیئے کہ کاروبار کرنے سید کو دیدیں مگر سید سے ہوجو کیا سکتا تھا۔ جیلانی کے پاس سات سو روپے تھے اور چار سو اس نے قرض لئے گویا گیارہ سو روپے ہوئے۔ اب اس رتہ سے جیلانی ٹھوکر دو کمالات چارچہ سے چارچہ کے تھان سیکل پر لا کر لے آتا، کبھی کبھی تو سکندر آباد سے یعنی سات میل جا کر اور سات میل واپس ہو کر سیکل پر لے آتا۔ پولیس ایکشن سے گبرا کر گاؤں کے کارکن بھی حیدر آباد بھاگ آئے۔ ابراہیم نے تین ٹیلرس کا انتظام کیا جو گھر پر کام کرنے تیار تھے، ابتداً گاندھی ٹوبوں سے ہوئی، گھر پر سلونے کے بعد ابراہیم دو کمالات پر مثال آتے، آخر طے ہوا کہ اپنی ایک دوکان ہونی چاہیئے۔

نجمہ کے حقیقی چچا جسکی روز بکٹ کی دوکان نیپال کے قریب تھی یہ ریڈی میڈ کا مارکٹ تھا۔ نجمہ نے اپنے چچا کو کہہ کر مفت تھریڈی بنگہ دوکان میں یکر سید کو سیٹھ بنا کر بیٹھا دیا۔

نجمہ کا ایک اور احسان اور سعید نام نہاد سیٹھ

بجھ کر تہیز کی چربی الماری میں سید صاحب سترہ سو کے بلوسات لے سطر پنجی بچھا کر بیٹھ گئے۔ کاروبار ریڈی میڈ میں کم سرمایہ سے کاروبار انجام دینا بڑی مشکل چیز ہے۔ جس کے لئے سخت محنت و جانفشانی کرنی پڑتا ہے۔ بہر حال ایک سال گزر گیا اب بجھ کے چچا کو پانچ ہزار روپے میں دوکان فروخت کر کے پاک تان جلنے کی سوچی۔ اب پھر بجھ آگے بڑھی اور چچا کو صرف اکیس سو روپے پر راضی کیا۔ بجھ نے کوئی زیور بیچ کر اور جیلانی نے انجن باہمی سے یہ رقم نکالی اور اکیس سو کی رقم بعد نیکل بجھ کے چچا کو دی گئی۔ اب ملکی کے راز و نیاز کو اپنے نام منتقل کرنا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کس کے نام منتقل کیا جائے۔ سید کا نام قاذن اراضی بجان کی فہرست میں باوجود رہائی کے اب تک شریک تھا۔ اس قاذن کی رو سے نہ صرف سید بلکہ بیوی بچے ماں باپ بھائی بہن میں سے کوئی کاروبار بیع و شرعی کر سکتا تھا۔ لہذا کرایہ نامہ حالہ مضرا کے نام کیا گیا۔ اب دوکان مکمل قبضہ میں آگئی۔ دوکان کا رجسٹر بدل دیا گیا۔ بالکل نصف دوکان بکٹ کے لئے اور نصف دوکان ریڈی میڈ کے لئے فروض کر دی گئی۔ بکٹ کی دوکان کا لازم وہاں بھی اب دوکان کے ساتھ گویا ہاتھ آیا جس کو ستر روپے مال نہ تنخواہ دینی پڑتی تھی۔ اب دوکان کے شریک طرفن جیلانی نے وجہ کی، ہر راج سے شریکین خرید کر لائے گئے اور کئی رات تک جیلانی بڑھائیوں کو لئے اس کو بندہ اور ٹھیلے میں مصروف رہا اور سید نے اپنی میٹھی نیند میں خلل ہونے نہ دیا جبکہ جیلانی دن میں دفتر کرتے کے بعد رات میں کام کر دیتا تھا۔ یہ ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے جبکہ سید ستمبر ۱۹۵۲ء میں مراد گڑھ سے بھاگ کر حیدرآباد آئے تھے۔ جیل میں رہے پھر کاروبار کا آغاز ہوا۔ گویا مکمل تین سال گزر گئے۔ بجھ لیٹے ایشیا ر کے مظاہرے دکھاتی رہی۔ جیلانی قربانی کا بکرا بنا جا رہا تھا۔ ایک سال اور گزر گیا اور ۱۹۵۲ء کے دیکھنے سے اب گزر ہو رہا تھا۔

(۵) خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں

(علامہ اقبال)

جیلانی کو نوکر ہوئے آٹھ سال گزر گئے۔ کم عمری میں نوکر ہو کر وہ لگاتار خاندان کے لئے مصائب اٹھاتے اور قربانیاں دینے میں مصروف تھا۔ اچھے بلوسات تقریر، اچھی غذا اور ہر قسم کی خوشیاں سے محروم تھا۔ اس کے شادی بیاہ کے کوئی اسباب نہ تھے۔ خاندان والوں ختمی کہ ماں اور سید نے اس کو قربانی کا ایک بکرا اور دو ذرو دینے والی کائے سمجھ لیا تھا کہ جب تک ”دوہ ملا لیا“ جب چاہا ذبح کر ڈالا اس کی صحت جوانی میں بگڑتی جا رہی تھی رات دن کی مصروفیت، کام ہی کام اور بے پناہ تھکان۔ ان کے دو بھائی گرتے پڑتے گر بولیشن میں آ گئے تھے۔ شدت انکار اور معائب و تھکان نے اس کا ہر قدم بوجھل کر دیا تھا۔

ایک دن جب جیلانی دفتر سے دوکان پہنچا۔ تو سید صاحب دوکان پر مدفع۔ وہاب صاحب نے بتلایا کہ جینا کے بھائی آیا کرتے ہیں اور ساتھ لے گئے۔ آپ کے آنے سے قبل آ جانا چاہیے تھا مگر آج دیر ہو گئی۔ جس سے بے وفائی تسلیم کیجا کر خاندان والوں اور خود سید صاحب نے گلو غلامی سہاٹل فیصلہ کر لیا تھا ظاہر ہوا کہ ریاکاری کے پردہ میں ملاقاتیں جاری تھیں اور بخدا اشارہ پر ایثار اور جیلانی، قربانی پر قربانی دینے میں لگا تا مصروف۔ اور یہ برابری عاشق سب کو ریاکاری کے پردہ میں دھوکہ دینے میں مصروف۔ حیات زندگی سے نا آشنا، خودی سے محروم ہو کر علامہ اقبال کے اس شعر کی تعمیل تھے۔

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی ۛ خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گونا گوں

(۶) شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عظیم (علامہ اقبال)

جیلانی جس کے دل در مارغ کے ساغر منگڑے ٹپکڑے بن کر بکھر چکے تھے مگر ہر منگڑے میں ایک دلیل ایک نظیر سالیہ نشان بن کر طالب انصاف تھی۔ وہ دوکان سے راکٹ بنا مکان پہنچا، اب وہ ماں کی عزالت میں اس جینا کے دیرینہ مقدمہ میں نائیل بحث کر کے فوری از روئے انصاف فیصلہ کا طالب تھا جیلانی نے ماں سے مطالب ہو کر بے آواز بلند کہا۔

جیلانی! شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عظیم! آج میں آپ کو خدا کا خوف دلا کر اور محسوس دلائل و نظائر پیش کر کے ناقابل انکار بنیادوں پر ایک دیرینہ مقدمہ کی فوری یکسوئی کا طالب و متمنی ہوں جو خاندان کو تباہی کی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور آگے چل کر وبال جان بنتا جائے گا۔ محترم القام دلالہ صاحبہ! آپ اور آپ کی عزیز بیٹیاں جو آپ کی خاص مشیر بھی ہیں۔ آیا جینا کو بد چلن بد کردار قرار دیکر دلیرانہ بابا کے پاس جا کر گوری بیگم کے کئے گئے جادو کے اثرات کو زائل کر کے سید کی شادی ختم سے کر کے اسے گھر نہیں لائے تھے؟ ماضی کی تاریخ اور حال کا آئینہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ شہر کیلئے بنیاد کی دلی، ساس خسر کے لئے بہترین بیٹی، سندھ اور دیوڑوں کے لئے ایک بہترین بہن نہ صرف ثابت ہوئی بلکہ آج تک ثابت ہو رہی ہے۔ پھر کیوں ختمہ کے خلاف غیبتوں کا سلسلہ شروع کر کے آپ ہی اگر نے جینا کو کر لینے کا سید کو اشارہ دیا۔ (انوری جو بعد شادی بھی گھر میں بھوت بن کر ہمیشہ ماں کے سر پہ سوار اور درج بدر بن کر گھر میں رہتی تھی۔ وہ فوری ماں کے قریب آکر بیٹھ گئی جب اس نے دیکھا کہ ماں جواب ملنے کے توقف میں نہیں تو کہا) اندھا۔ "تم ہم پر الزام لگاتے ہو۔ ہم نے ختمہ جیسی نیک بھائی کی غیبت کی ہی نہیں" (انوری نے ختمہ کے حجرے کی طرف دیکھ کر زور سے کہا)

سعید معصوم بنے گھر آئے، بعد کمانے سے فارغ ہونے بخمہ سے اپنی حجت جتلانے میں مصروف تھے۔ ماں کی ایک آواز سعید کو حجرے سے دالال لے آئی۔ اب بھی سعید معصومیت ریاکاری کا لبادہ پہننے ماں کے سامنے تھا۔ ماں نے سوالات کئے۔ پہلے انکار۔ بعد جرح اقبال۔ ماں نے کہا ”میرا حکم ہے جینا کو طلاق دیدو“ ماں نے کاغذ دیا۔ سعید نے سکارانہ انداز سے دوتے ہوئے طلاق لکھی جیسا کردہ دائمی جینا سے محبت کرتا ہے۔ گزرنے والا وقت سعید کی بڑا ہوسری اور ریاکاری کا پردہ چاک کرنے اور سعید کو عاشق نہیں بلکہ بڑا ہوس اور شہوت پرست ثابت کرنے تیزی سے پڑھ رہا تھا اور علامہ اقبال کی زبان بن کر پوچھ رہا تھا۔

انکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں ؛ یہ عاشق کو کسی سہمی کے یارب رہنے والے ہیں

(۸) بستی فطرت نے سکھائی ہے یہ محبت اُسے (علامہ اقبال)

مسئلہ طلاق | طلاق کو اسلام نے مکروہ قرار دیتے ہوئے یہ دقت ضرورت شدید اس کی اجازت دیکر درحقیقت احسان کیا ہے، خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے نکاح فرمایا جب خلوت کی نوبت آئی پہلے پر ایک سفید دھبہ دیکھا، آپؐ ذری علمزہ ہو گئے حسن سلوک کے ساتھ مہر دیکر ذریعہ طلاق علمزہ کر دیا۔ طلاق کا مسئلہ شریعت میں اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو مذاق میں بھی طلاق کہہ دے تو طلاق ہو جاتی ہے حتیٰ کہ عالم نشہ میں بھی طلاق دیں تو طلاق ہو جاتی ہے۔ طلاق دیتے وقت بیوی کا واقف رہنا اور سامنے رہنا ضروری نہیں۔ شوہر نے غائبانہ طلاق دی پس طلاق ہو گئی اور اس سے ناواقف رکھ کر اس نے بیوی سے ہم بستری کی تو شوہر زنا کا مرتکب ہو گا۔ اگر ہم بستر نہ بھی ہوا اور طلاق کے بارے میں بیوی کو واقف نہ کر دیا تو وہ گزہ عظیم کا مرتکب ہو گا جو نہ کہ وہ عورت اپنی مستقبل کی زندگی کے بارے میں سوچنے اور انتظام کرنے کے موقع میں نہ رہے گی۔ سعید اس قدر صاف مسئلہ شریعت میں من ملنے فتویٰ دیتا تھا۔ کہا تھا کہ چونکہ جینا کو طلاق کی اطلاع نہیں ہوئی لہذا طلاق نہیں ہوئی اس کے باوجود نہ کسی کفالت کو تا تھا نہ مہر دیتا تھا نہ اس کے مدچوں کو جو اس کے صلب سے پیدا ہوئے تھے بدورش کرتا تھا۔ جب سعید نے جینا کو طلاق دی تو کہا جاتا ہے کہ یہ کاغذ بخو کے والد کے پاس روانہ کر دیا کہ جینا کے پاس روانہ کر دیں۔ بخمہ کے دلی صفت باپ نے کہا ”ہم نے ہر حال میں صبر کیا ہے، ہم نے نکاح کرنے کہا تھا نہ طلاق دینے کے لئے کہا۔ جس نے نکاح کیا اور جس نے طلاق دی اس کا فرضی ہو جاتا ہے کہ یہ کاغذ خود مطلقہ کو روانہ کریں ہمیں کیوں درمیاں میں ڈالا جا رہا ہے۔ کاغذ واپس کر دیا۔ کسی قدر معقول بات سن کر بھی خود سعید نے کاغذ جینا کو کم از کم ذریعہ ٹپہ بھی روانہ نہیں کیا۔ چند ماہ رہ کر چلا گئے

مشرقی پاکستان جو آج بنگلہ دیش کہلاتا ہے ۱۹۵۱ء کے اختتام پر حیدر آباد میں تین سال رہ کر تباہی کے اسباب ہسپا کر کے ابد بخیر کو چھوڑ کر چلا گیا وہاں سے کس طرح مغربی پاکستان کراچی پہنچ گیا۔

۱۹۵۲ء کے اختتام پر سعید نے ایک معمولی نوکری کراچی میں مل جانے کے بعد بخیر کو پاکستان بلوایا۔ گویا سعید نے مکمل چار

سال جیلانی کو پریشان کیا اور قربانی کا بکرا بنایا۔ وہ یہ جینا سے بچنے یہہ عاشق پاکستان پہنچ گئے کہ کس طرح جینا سے اپنی جان بچا سکیں۔ بخیر نے کراچی پہنچ کر بھی سید تکالیف اٹھائیں وہ کمپنوں کی سہولتیوں کے اجرت سے شوہر کی مدد کرتے تھے۔ موسم گرما میں پست ٹین کی چھت کے تکلیف دہ مکان میں لتول بخیر دل میں کئی بار کمپنوں کو پانی میں تر کر کے پلنگ کے نیچے یہہ ڈاکٹر کی بیٹی جان بچانے لیٹ جاتی۔

(۹) کہہ رہی ہے زندگی تری کہ تو مسلم نہیں (علامہ اقبال)

سعید نے پاکستان جا کر بھی جینا کو طلاق کی اطلاع نہیں دی۔ کبھی کہتا تھا جینا کو طلاق ہو گئی تم روانہ کرنے کی ضرورت نہیں، کبھی کہتا تھا کہ جینا کو طلاق کی اطلاع ہی نہیں ہے، لہذا طلاق ہوئی ہی نہیں۔ خلاف شریعت (نحوہ بالائے) بقول سعید کے طلاق نہ ہونے کو مان لیا جائے تو اس بد بخت پر جینا کی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی اگر طلاق ہو جانے کو مان لیا جائے تو درم مہر ادا یا م عدت کا نفقہ سعید پر واجب الادا ہوتا تھا اور ہر دو صورتوں میں سعید پر اپنے ان وعدہ بانج بچوں کی کفالت کی ذمہ داری از درعے شریعت محمدی عائد ہوتی تھی جو جینا کے بطن سے اس نے جنم دیئے تھے ہر حال یہ ہر صحت میں ظالم اور اسلام سے خارج اپنے آپ کو ثابت کر رہا تھا اور دھوکہ و فریب کی زندگی بسر کر رہا تھا جبکہ فرمایا نبی حتی اشنا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان میں فریب نہیں۔ جس نے فریب کیا وہ ہم میں سے نہیں (ابن ماجہ)

سعید مسلسل بتلا فریب تھا۔ اس جینا کے ساتھ جسکو وہ مشوق بنا کر اپنے کو عاشق بتلا کر عشق کے نعرے لگاتا تھا وہ اسکے پاکستان جانے کے (۳۴) سال تک جینا زندہ رہی وہ تین بار حیدر آباد آیا مگر کبھی اس ظالم عاشق نے جینا کو یا اپنے بیٹوں کو ایک نیا پیسہ بھی نہ دیا۔ جینا نے مصائب حسیل کو اپنے ایک بیٹے کو گر بھریٹ بنایا۔ تیسری بار جب سعید حیدر آباد آیا تو اسکے فرزند نے اس سے دریافت کیا کہ آیا آپ کا نام خانہ دلریت میں رہا ہی ہمارا لئے کافی ہے یا ادائی حقوق از لحاظ شریعت بھی کوئی چیز ہے۔ ہر حال جینا دنیا سے جل بسی اور یہہ عاشق جو غزل پر غزل لکھتا تھا کہ ”کیا خاک بیوں جبکہ جینا نہ ملے“ اسکے مرنے کے بعد بھی مکر و فریب کی زندگی گزار کر اپنے کو مسلمان سمجھ کر جی رہا تھا، جبکہ زمان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مسلمان میں فریب

نہیں جس نے قریب کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ علامہ اقبال نے ایسے مسلمان اپنے آپ کو کہنے والے کے بارے میں خوب فرمایا ہے کہ

خوب ہے تجھ کو شاعر صاحبِ شرب کا پاس ؛ کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
 سینے میں اگر نہ ہو دل گرم ؛ رہ جاتی ہے زندگی میں خامی
 سید جو اپنے آپ کو جینا کا عاشق ظاہر کرتا رہا اور اسکو معشوق کا روپ دیکر دنیا کو اور اپنے آپ کو
 بقلاً قریب رکھا تھا۔ مرنے کے بعد اسکو کیا یاد کرتا جبکہ زندگی میں ہی قریب رہتا رہا اور صرف شہوت اور ہوس پرستی کے لئے
 اسکو استعمال کر کے دو بچے جنم دیکر راضی سے بے حیائی کا جامہ پہن کر ہو گردانی کی۔ علامہ اقبال نے محبوب اور عشق
 کے بارے میں فرمایا ہے۔

ہے ابد کے نسخہ دیرینہ کا تمہید عشق ؛ عقل انسانی ہے نانی، زندہ جاوید عشق
 عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے ؛ عشق سوزِ زندگی ہے تا ابد پایئندہ ہے
 رخصتِ محبوب کا مقصد فنا ہوتا اگر ؛ جوشِ الفت بھی دلِ عاشق سے کرجاتا سفر
 عشق کچھ محراب کے مرنے سے مرجاتا نہیں ؛ روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں
 ہے بقائے عشق سے پیدا بقا محراب کی
 زندگانی ہے عدم نا آشنا محراب کی

مگر یہ مردہ قلب البراہین عشقِ حاشقی کے ان بلند مقامات سے آگاہ ہی کہاں تھا، بقول علامہ
 اقبال عقاب کے نشین میں بیٹھ کر زارغ دعویٰ کرے کہ وہ عقاب ہے تو زارغ زارغ ہی رہے گا، عقاب تو بن نہیں سکتا۔
 سید کے لغوی معنی ہیں (۱) نیک بھلا (۲) مبارک (۳) خوش نصیب بھاگوان۔ سید زوال پذیر قدم
 کا خردی سے محروم وہ (د تھا جو نام کے معزل کے اعتبار سے بالکل برعکس تھا۔ وہ زندگی بھر کسی کے لئے مبارک
 ثابت ہوا نہ ہی بھاگوان یہ بدنصیب عمر بھر دیا کاری و فریب کو مقصدِ حیات بنائے جیسے میں مصروف رہا۔ ایک
 زوال کا راز علامہ اقبال خودی و غیرت سے محرومی بتلاتے ہیں۔

نہ ہے ستارہ کی گردش نہ بازیِ انلاک ؛ خودی کی موت ہے ترا زوالِ نعمت و جاہ
 غیرت ہے طریقتِ حقیقی ؛ غیرت سے ہے فتنہ کی غلامی

(علامہ اقبال)

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبہ یہ سرور

سید پاکستان میں مہاجر تو تھا ہی کون اس کے ماضی پر نظر ڈال
 سکتا تھا۔ اب سید نے دنیا کلمنہ اپنے مکر کے آخری حربہ کو آزمایا۔

مذہب کا ڈھونگ

مازھی بھڑی تسبیح ہاتھ میں لی۔ غاروں میں مصروف نظر آنے لگا۔ آج کا زوال پذیر مسلمان قوم کا فرد جب محنت سے دنیا کمانے کے قابل نہیں رہتا تو دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیتا ہے۔ یہی ہوا کسی نے سعید کو مقدس سمجھ کر حج البدل کے لئے روانہ کر دیا۔ حج البدل تو اپنا فرض حج ادا کرنے کے بعد کیا جاتا ہے۔ سعید کا دنسا کام سیدھا تھا۔ اس مذہب کے ڈھونگ نے اس کے دنیوی تمام مسائل و مشکلات حل کر دیں، لڑکیاں مقدس ہستی کی برائی جاننے لگیں۔ بیٹوں کے پڑھنے کا ذریعہ بھی ہو گیا۔ پھر بیٹے نے باپ کو ادھ ایک مرتبہ حج کے لئے روانہ کیا، مذہب کا مذاق تھا کہ سعید اڑا رہا تھا۔ دیر نہ ہزار مالک روز بسکٹ کی ضمانت پر ہوا قرض باقی، سانسو دوران ملازمت میں ایک دکیل سے لیا ہوا قرض باقی، جینا کا مہر باقی، ضمانت عدت کا نفقہ باقی، جینا کے بطن سے ہوئے دو لڑکوں کی کفالت کا بار باقی۔ فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضدار مسلمان کی جان قرض ادا ہونے تک معلق رہتی ہے (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوتی) (حاکم، سعید اپنے قلب سیاہ کو جھوٹی تسلی دیتا ہوا حاجی کہلا کر جی رہا تھا۔ یہ ریاکار اگر کسی کو بائیں ہاتھ سے پانی پیتے دیکھتا تو رعب جملنے کہتا کہ بائیں ہاتھ سے شیطان پانی پیتا ہے، اور یہ وہ شیطان تھا جو سب کے حقوق سلب کر کے ریاکاری کی زندگی میں خوش تھا۔ جب حیدر آباد آتا تو محسن بھائی جیلانی سے نہ ملتا بلکہ ان بھائیوں کے پاس قیام کر کے دیرھ ہزار اور ایک کو ایک ہزار میں زیر یادر جاتا جسکی تعلیم پر اس نے ایک حصہ بھی خرچ نہ کیا تھا اور تعلیم میں ہمیشہ حائل ہوتا رہا تھا۔ ہر مال مذہب کا ڈھونگ رچا کر بہہ خوشحالی کی منزل پر پہنچ گیا اور جہاں تک حقیقی مذہب کا سوال تھا علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

یہ ذکر نیم شبی یہ سر تسبیہ سری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند

(علامہ اقبال)

یہ گھر جس میں کبھی منصف مجسٹریٹ صاحب کی غیبتیں ان کی اہلیہ محترمہ اولاد کے سامنے نکال

اب جیلانی غیبتوں کی زد میں

کرتی تھیں۔ یہ گھر جس میں صغرا جو بیوہ ہو کر بہن زینب کے گھر میں آئی تھی تو اس کی غیبتیں خود بڑی بہن زینب کی کرتی تھیں، پھر ایک وقت آیا کہ انوری اور سعید میاں جو بادشاہ محی الدین سے آنکھیں ملا سکتے تھے نہ محرب علی سے اب خالہ صغرا پر بھڑکی کا تک الزام لگانے سے نہ شرما تے تھے نہ گھبراتے تھے کہ اس نے سید میاں کی شیردانی کے جیب میں سے روپیہ نکال لئے ہیں۔ صغرا جس نے ہمیشہ اپنی بہن کے بچوں کیلئے ایثار کیا تھا اور مالی اعتبار سے ساتھ دیا تھا اب اسکی بڑی بہن زینب صغرا کے ساتھ ظالمانہ انداز سے پیش آتی

غیبتوں کے علاوہ اب تو اسکو بر ملا بڑا کھا کرتی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ سید کی غیبتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ پھر جینا اور گوری بیگم پر غیبتوں کے تیر چلائے جلتے رہے اور ان کو بدکردار اور بدچلن قرار دیا جا کر پھر کو سید کی دہن بنا گھر لائے۔ پھر نجمہ پر غیبتوں کے بم برسائے جانے لگے۔ پھر جینا سے شادی کر لینے کا اشارہ دیا گیا۔ پھر سید کی جینا کی شادی کے بعد جینا کے خلاف بن کر نجمہ کی تائید کی گئی تھی۔ اب نجمہ کے پاکستان جانے کے بعد جیلانی جس نے آنکھیں کھولتے ہی خاندان کے لئے ایثار اور قربانی اور خدمت کر کے اپنے مستقبل کو برباد کر ڈالا تھا اسکی غیبتیں شروع ہوئیں کہ اس نے جینا کی زندگی برباد کر دی۔ جب تک نجمہ پاکستان نہ گئی تھی کہا جا رہا تھا کہ اچھا کام ہوا، نجمہ کو نفاق اللہ نے دلایا۔ اب جینا کی زندگی اور اس کے بچوں کی تباہی اور پرورش سید کے نہ کرنے کا بانی جیلانی تھا۔ آخر یہ آدازیں اس کے کاؤز تک پہنچیں۔ یہ مسکند جیلانی متاثر رہنے لگا۔ ایک دن جیلانی کی ماں خزانہ عامرہ دلیہ بیوہ گری لینے گئی جہاں گوری بیگم بھی دلیہ بیوہ گری لینے معہ جینا گئے بچوں کے آئی تھی۔

خزانہ سے آکر سید کی والدہ نے درنا شروع کیا کہ اب سید کے بچوں کو کون سنبھالے گا۔ ہر ایک اپنے بیوی بچوں میں رہے گا وہ دشارا بن جائیں گے۔ جیلانی جو وہاں موجود تھا کہا جینا کو طلاق دینے کے باوجود سید پر بچوں کی پرورش کی ذمہ داری اسی طرح ہے جس طرح طلاق نہ دینے کی صورت میں تھی۔ البتہ سید کی برابری کے تحت بچے جنم دینے کا راستہ ضرور بند ہو گیا جو موجودہ بچوں کی پرورش ہی سے گریز کر رہا تھا اور کر رہا ہے۔ آپ سب کی پالیسیوں کو نہ قرار ہے نہ ٹھکانہ۔ کبھی جینا ناقابلِ نفرت اور بدکردار اور بدچلن کبھی نجمہ بدسلوک اور بدتمیز اور اس پر جینا کا سوتن بن کر آنا جائز پھر جینا گویا خلاصی کے لائق اور نجمہ لائق احترام اب آپ سید کے بچوں کے مستقبل پر آنسو بہا رہی ہے اور جیلانی کے خلاف یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ جینا اور اس کے مستقبل کی تباہی کا وہ باعث بنا ہے جیلانی کی ساری عمر قربانی کا بکرہ اپنے تباہ ہو ہی گئی مذہبِ بازت دیتا ہے کوئی گناہ امر مانع نہیں ہیں اگر آپ کے آنسو رک سکتے ہیں اور سید کے بچوں کا مستقبل یا ہی سے بچ سکتا ہے تو جیلانی جینا سے نکاح کر کے اپنی مزید تباہی اور قربانی کے لئے تیار ہے۔ جینا سے جیلانی و در حقیقت نفرت تھا وہ عمر میں اس سے کافی بڑی بے ڈھب بد رضع اور مکمل صدمہ کم بیڈ بنی ہوئی تھی۔ اور کردار کے تعلق سے لائقِ کراہیت و مکروہ۔ جس کے تعلق سے جیلانی کو یقین کی حد تک معلومات فراہم ہو چکے تھے۔ جیلانی نے جوں ہی جینا کے نکاح کے تعلق سے دورانِ بحث جذبات سے مرعوب ہو کہہ دیا گھر کا ماحول بدل گیا۔ اب کہا جانے لگا کہ خود کر لینے طلاق دلائی تمہیں تو کیا یہ جیلانی کے دماغ پر ایک اور ضرب کاری تھی۔ خواہ مخواہ عاوطن کے گھر کے چکر شروع ہوئے۔ جیلانی نے ماں سے پوچھا آخر

آپ سب میں ہلچل کیوں ہے۔ ماں نے کہا۔ تم جینا سے نکاح نہیں کر سکتے۔ جیلانی نے کہا آپ کا حکم ہے تو قسم بخدا میں کرنا تو درکنار ایسا سوچوں گا بھی نہیں۔ مگر آپ لوگ غیبتیں اور پروپگنڈہ بند کر دیں۔ کہا کہ ہم غیبتیں کرتے ہی کب ہیں؟ تم نے غلط کہا کہ ہم غیبتیں اور پروپگنڈہ کر رہے ہیں جیلانی نے ایسا محسوس کیا کہ اس نے اپنے سے جینا کو سب کر کے جو درحشت پیدا کر لی تھی اس سے اسے چھٹکارا ملا۔ اب جیلانی نے جینا کے بچوں کی مدد کرنے کا خیال تک ترک کر دیا کہ اس پر جینا سے ربط کا الزام عائد نہ کر دیا جائے۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ ذمہ داری سعید کی تھی۔ سعید اگر اپنے ذمہ داریوں سے غافل تھا تو داری کو بھر دی تھی تو داری کا فرض تھا کہ اپنے وظیفہ اور منصب سے جو ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے جاری ہوئی تھی نفع دیکر مدد کرتیں یا اور دیگر افراد خاندان۔ جس قوم کی عورتیں صرف بلا مقصد برائیاں اور غیبتوں اور الزام تراشی کے گناہوں میں مبتلا رہتی ہیں ان سے نیکیاں تو سر زد ہوتی ہی نہیں البتہ خننا ہوں کا توشہ لئے سرتیں اور قبر میں ہی تو مشہ آخرت کے لئے لیجاتی ہیں۔ اولاد ہی نہیں قوم ایسی ہی عورتوں کی وجہ سے برباد ہوتی جاتی ہے۔ زوال پذیر قوم کی عورتیں متاع کرط سے محروم ہو کر اس قدر نیچ کر دار کرنا پڑتی ہیں کہ مذہب ان کے لئے بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ خودی سے یک لخت محروم علامہ اقبال یوں دفاخت فرماتے ہیں۔

تائیر غلامی سے خوری جسکی ہوئی نرم و اچھی نہیں اس قوم کے حق میں غمی لے

۱۴ وال باب

بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے

(علامہ اقبال)

۱۹۴۴ء میں منصف مجسٹریٹ صاحب کی زندگی میں ہی جیلانی باپ کی ضعیفی اور بڑے بھائی کی خرد کمزیری دیکھ کر خاندان کی خاطر اعلیٰ تعلیم کا خیال ترک کر کے ملازمت اختیار کر لی تھی باپ کی زندگی ہی میں اکبر الدین کی پریشان کن تیمارداری اور اخگری کی شادی کے فرائض انجام دیئے تھے ۱۹۴۷ء میں بھی منصف مجسٹریٹ صاحب کے انتقال کے بعد تو طوفانی مصائب کا مرنانہ وار مقابلہ کر کے ہر مصیبت کے پہاڑ کو بقول اس کے بڑے بھائی سعید کے اپنی مستقل مزاجی کی ٹھکرکوں سے سرمد بنا کر اٹا دیا تھا۔ اب ۱۹۵۳ء میں جیلانی سے چھوٹے بھائی اکبر الدین تو بی۔ کام میں نیل اور اس سے چھوٹے بھائی وقار الدین نے بدلیں سسی میں کامیابی حاصل کی تھی۔ وقار الدین نے ایم بی بی ایس یعنی ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے عثمانیہ میڈیکل کالج میں درخواست دی تھی۔

اس زمانہ میں انٹرنس کا امتحان نہ ہوتا تھا بلکہ نمبرات حاصل کے تحت ڈاکٹری میں داخلہ دیا جاتا تھا۔ وقار الدین کے نمبرات ۵۱۶۶ تھے ایک لڑکی جس کے نمبرات ۵۱۶۵ تھے یعنی وقار الدین سے ایک پوائنٹ کم تھے، داخلہ دیا جکا تھا۔ وقار الدین نے از خود عثمانیہ میڈیکل کالج اور عثمانیہ یونیورسٹی میں اس نا اہلانی کے خلاف درخواستیں دی تھیں اور عدم وصولی جواب پر غم تھا۔ جیلانی کی خواہش تھی کہ اس کا بھائی ڈاکٹر ہو۔ اس نے وکلاء سے مشورے کئے اور ہائیکورٹ میں عثمانیہ یونیورسٹی اور عثمانیہ میڈیکل کالج کو فریق بنا کر درخواست رٹ پیش کر کے ہائیکورٹ سے ایک سیٹ وقار الدین کے لئے منظور کئے۔ احکام میڈیکل کالج کو روانہ کر دئے۔ ماں کی خوشی کی انتہا نہ تھی وہ جیلانی کو دعائیں دے کر کہہ رہی تھی کہ باپ نے لڑکر منع فرمایا۔ بھائی لڑکر بھائی کو ڈاکٹر بنا کر چھوڑے گا۔ درخواست رٹ بعد بیٹ اس نقطہ پر خارج ہوئی کہ وقار الدین نے جو درخواستیں میڈیکل کالج اور یونیورسٹی کو دی تھیں اس کے جواب کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ گویا جواب خلاف میں آئے تو پھر درخواست رٹ پیش کیا جاسکتی تھی۔ اس اثنا میں وقار الدین کو اسے بھائی میں لڑکی کسی کا پوسٹ مل گیا۔ اب جیلانی کی ماں نے دھوم مچا دی کہ جیلانی اپنے بھائی کا مستقبل برباد کرنے لگ گیا تھا۔ یہ عورت اس بیٹے کے تعلق سے یہ کہنے شرمانہ رہی تھی جس نے ناممکن حالات میں اس کا آپریشن کر دے اس کی جان بچائی تھی اور اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر خاندان کو اٹھایا تھا، یہی ماں اب وقار الدین کے لڑکر ہوتے ہی اس تازہ دم بیٹے سے قریب اور تھکے ہارے بیٹے جیلانی سے دور ہی نہیں جوتا جاری تھی بلکہ غیبتوں کی لپیٹ میں اپنی بیٹی ازی دیگی بیٹیوں کی مدد سے لئے جارہی تھی اور یہی ان کا مشغلہ اور شعار زندگی تھا۔ یہاں سے بیٹے اور بھائی کے خلاف تھا جس نے ۱۹۴۲ء تا ۱۹۵۳ء آرام چین و سکون اور شاہی سے محروم رہ کر سب کا خدمت کی تھی۔

بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے و مرے اللہ! تری دہائی ہے (اقبال)
جب انسان فہم کا احسان نہیں مانتا تو اللہ پاک ایسے ان لوگوں پر شیطاں کو مسلط کر دیتے ہیں جیسا کہ جلد ۸ میں لکھا کہ اس ماں نے اپنی کم عمر اولاد کے ایمان اور اپنے خود کے ایمان کو داؤ پر لگا کر دُشمنی خوشحالی کے لئے نرسو کی بوجا میں مصروف ہو گئی بقول حضرت اقبالؒ

(۲) پیسراں کیسا ہوں کہ شیخاں حرم ہوں (علامہ اقبالؒ)

درگاہ میں خانقاہ میں علماء اور مقدمہ بازیاں | شاہی کوئی درگاہ و خانقاہ ایسی ہر جگہ

مقدمہ کسی دینی عدالت میں زیرِ دراز نہ ہو شعلے جیسے ڈاڑھیاں رکھ کر مقدس صورتیں بنائے صوفی علماء اور مجاہد عدالتوں میں فریق بنے ہر ایک اپنے کہی وارث تہا کے جھوٹی تسمیں اللہ کی کھائے جھوٹے حلفانہ اہل کرتے ذلیل دنیا سے شر

ہیں نہ خدا سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ حکیم الامت فرماتے ہیں

تم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو شخص ہوتے : خانقاہوں میں مجاہد رہ گئے یا گورکن
پیران کیسا ہوں کہ شیخاں حرم ہوں : نے جدت گفت رہے نے جدت کردار

(۳) ملا کی نظر نور فرست سے ہے خالی (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کا آخری عمر کا گناہ ہے لذت | عالم خانان کے بہت منصف مجسٹریٹ صاحب نے جوانی میں طائف سے رسم دراہہ مکمل کرنا ملا کی پٹولی اور اس سے طلاق دلا کر غیر شرعی نکاح اپنی بہن کا حنفیہ الدین سے کر کے تمام عمر بہن کو مبتلا کرنا اور مکمل ناجائز اولاد جنم ملانی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعادیر گھرمیں دھکے عالم میری میں ایک گناہ عظیم کیا تھا اب عمر کے بالکل آخری حصہ میں ایک درگاہ کو اپنے نیالی جد کی درگاہ بتلا کر ان بزرگ کے خیالی کشف و کرامات بیان کرتے تھے۔ اس درگاہ کے مقدمات ان کے خالہ زاد بھائی ارشد علی عمر بھر لڑتے رہے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ارشد علی کے لڑکے احمد علی آوارہ نکلے لہذا منصف مجسٹریٹ صاحب عمر بھر مقدمات کی چکر میں رہے حاصل نہ ہوئے۔ یہاں نہ ہی درگاہ کی زمین کی خریدی کا کاغذ موجود تھا نہ شہادی عطا ہونے کا کوئی دستاویز رکھتے تھے۔ زمین کی ایک پٹی میں جہاں منصف مجسٹریٹ صاحب نے نیالی قبور تھے تو زاب جہاں گیکر علی خاں جو ارباب نظام سابع حکمران وقت تھے ان کے خاندان کے مقبرے اور قبور بھی تھے۔ ایک زمان جہاں گیکر علی خاں نے نظام سابع سے عہدہ پیش کر کے اس زمین کو اپنی ملکیت ظاہر کر کے حاصل کر لیا تھا۔ زمان کا مقام تدر و منزلت نہ صرف اس وقت تھی بلکہ بعد آزادی ہند پریم کورٹ نے نظام کے زمان کو تالرن سے بالاتر قرار دیا تھا۔ جب منصف مجسٹریٹ صاحب کے پاس اس زمین اور درگاہ کو اپنی ملکیت قرار دینے کا ذنی گنجائش نہ رہی تو محکمہ اوقاف میں اس کو درج رجسٹر اوقاف کرنے اور اپنے آپ کو متولی بنانے کی درخواست معہ غیر متعلقہ زمین اور جہاں گیکر علی خاں کے مقبروں کو بھی شامل کر کے دیدی۔ زمین نامی ملکیت روڈ کے پانچ فٹ کی چار دیواریں اٹھا کر اس پر شیشی کا چھت ڈال کر چھ روپے آمدنی بھی بتلا دی۔ آزادی کے بعد ہندو اوقاف سے مسلم اوقاف کو عملہ کرنے کے مطالبات ہوتے رہے آخر ۱۹۵۳ء میں ایک مراسلہ جیلانی کے نام رجوع ہونے جاری ہوا۔ جیلانی محکمہ اوقاف پہنچا دیں جیلانی کے ہسوائی اشفاق کے ایک عزیز جمی الدین کیف تھے جیلانی نے ان سے سب صحیح واقعات کہہ ڈالے۔ انہوں نے کہا بوری کار والی میرے ہاتھ میں ہے۔ باپ کی دی ہوئی درخواست کو غلط کہنا اچھا نہیں۔ کم از کم خاندان کے افراد کو دفعی ہونے جگہ قبول جائے گی اور دوسری زمین پر نہ بھی قبرستان پر تو تالرن قبضہ ہو جائیگا۔ ان کی حسب ہایت دو درگاہ پیش کئے گئے ایک منصف مجسٹریٹ صاحب کے بڑے داماد سید زادے دوسرے سید کے ایک دوست جب جیلانی کا بیان ہوا تو یادگار اوقاف نے دوران بیان درگاہ کی آمدنی لپچی۔ جیلانی کے کہا اس درگاہ پر نہ کوئی نذر دیا نہ کسے لے آئے نہ کوئی آمدنی ہے۔ مددگار نے کہا جب کوئی آمدنی

نہ ہرگز درگاہ درج رجسٹر اوقات نہ ہر گنگی آپ کے والد نے پچھو رہے ماہاد آمدنی ملکیت کی تیلانی ہے۔ جیلانی نے کہا وہ روپے کی دیواری تو رسات میں کبھی کے کرئیں۔ مدگار مسلمان تھا ہٹا کہا ابھی آپ زوجان میں سمجھ نہیں سکتے میں ہی پچھو روپے آمدنی آپ کے بیان میں کھولتا ہوں جیلانی نے کہا آپ کی مرضی بہر حال اس پچھو روپے کی مرضی آمدنی کی بنا پر درگاہ سے غیر متعلقہ زمین جس کا نقشہ منصف مجسٹریٹ صاحب نے پیش کیا تھا جو کسی مدت بھی ایک قبضہ میں سالہا سال سے نہ تھی درج رجسٹر اوقات پر گئی۔ وہ شقاق کے عزیز کیف نے مثل میں بغیر درگاہ اور اس زمین پر اشتہار لگائے اور بغیر ڈسٹورڈ پٹوائے لکھو ریا کہ وہوں اور انجام دے لے گئے۔ گزٹ میں اشتہار شائع ہوا۔ اسے پڑھا کون ؟۔ بہر حال اس قبرستان کی ہیٹی میں سید زادے اور اشفاق بعد مرنے کے دفن ہوئے اور ازار خانہ کے لئے بعد مرنے دفن ہونے زمین تو ہو گئی اشفاق کے دفن ہونے کے بعد قار الدین جو جیلانی کے زیر پوشش رہ کر اس کا کھانکھا کر جو ان ہوا تھا بڑے عباؤ سعید کی مخالفت کے باوجود جیلانی نے اس کی تعلیم جاری رکھ کر فی ہر بنا یا اور اکثر بنانے لے گئی تھی، چودہ سال بعد جیلانی سے بد بخت ملک حرام کہہ رہا اور خط لکھ رہا تھا کہ اس درگاہ کے متولی بن کر جیلانی نے درگاہ کو برادر کر دیا اور دستار فضیلت سمجھ کر تولیت کو سر پر رکھ لیا حالانکہ منتخب وقف میں پچھو روپے کی آمدنی وہ بھی فرض نمایاں تھی اور وہ جانتا تھا کہ جیلانی اپنے حبیب سے قبرستان کے نگران کار یہود علی کو تنخواہ دیتا ہے۔ باپ نے غیر متعلقہ جائیدادوں کو اپنی ملک بتلا کر جو کبھی قبضہ ہی میں نہ تھی اور دوسروں کی ملک تھیں، مرتے وقت اپنے سر پر گناہ کا بار باریا تھا۔ باپ کی غلطی کو یہ بد بخت دسیا کہ طلب سمجھا ہوا اس سے بھائی سے تکرار بے ادبی کر رہا تھا جس نے باپ کے بعد باپ کے زلعن انجام دیکر اسکو پروان چڑھایا تھا بقول حضرت ابیال۔

جسکو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا ۶ اس حریف بے زبان کا گرم گفتاری بھی دیکھ

دنا مالک کی یہ گستاخیاں ایک طرف منصف مجسٹریٹ کے جو انی تادم مرگ گناہ ہائے عظمیٰ کا نتیجہ تھے تو دوسری جانب ماں کے بے ہنگام غیبتوں اور سخا کی کا نتیجہ تھے جن پر بیض عبرت ندا سی ارشی ڈال جاتی ہے

(۳) خودی کی پرورش و تربیت یہ ہے موقوف

(علامہ ابیال)

مادوں کو انتباہ | اولاد کو ستاع کردار سے ڈارنا اعلیٰ طرف مادوں کی جہاں غمازی کرتا ہے میں اولاد کو اخلاق کی سطح سے گرا کر اولاد کو آپس میں ٹکراتا غیبتیں کر کے ایک اولاد کو دوسری اولاد کی نظر میں سے گراتا اور آپس میں نفرت پیدا کرنا ایک کم ظرف جاہل فتنہ پرور ماں کی نشاندہی کرتا ہے۔ بقول حضرت ابیال مال کی تحریر تقریر تو ایسی ہونی چاہیے۔

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے ۶ دیکھو کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

جب ماں خود ہی اولاد کو ایک دوسرے سے لڑانے، نظروں سے گرانے، نفرت کا سیلاب ذریعہ غیبت پیدا کرنے مائل اور بچہ کی طرح ڈنک مارنا، ماں کی فطرت ثانی بن جائے غیبت اور نفرت کا ذریعہ اولاد کو بلاق جانے اور پھر کہے کہ میں اولاد کی زندگی اور اولاد میں اتفاق چاہتی ہوں تو کیا یہ ممکن ہے۔ بقول علامہ اقبال

جس علم کی تاثیر سے دن ہوتی ہے نازن ؛ کہتے ہیں اسی علم کو ادب اور اب نظر موت

جب ماں کی یہ حالت ہو کہ بڑی بیٹی چھٹی شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کی ناتمہ سیم میں رزا انک

انک کہ پڑھ رہی ہے۔ ماں اسے دیکھتی اور باس میں بیٹھی ہوتی دوسری اولاد کو سر کے اشارے سے پانا نیچے

کا ہونٹ لبا کر کے چمڑی کو بتلا کر آہستہ سے کچھ ملے کہ دیکھ قرآن بھی صاف اور صحیح نہیں پڑھ سکتی۔ مقام غور ہے کہ کبہ

غلطی چمڑی کی نہیں خود ماں کی ہے کہ اس نے بچپن سے تماشائی اس کا قرآن صاف نہیں کیا۔ سال بہ سال جب ماں بچے

جہنم دینے ہی کو مقصد حیات سمجھ لیں۔ دودھ تک اولاد کو نہ بلالیں۔ دودھ پلانے انائیں ہوں یا دودھ کے ڈبے۔

پھر تربیت کا یہ حال ہو کہ شوہر سے اولاد جہنم دیکر کسی اولاد کے سنانے شوہر کی زندگی میں روز بعد از زندگی غیبتیں

کرتی رہیں کبھی بڑے فرزند کی غیبتیں آنسو بہا کر فرزند دوم جیلانی کے سنانے کو کہ فرزند اول کو اس کی نظروں سے

گرائے، کبھی جیلانی جس نے خاندان پر زندگی بچھا دیکر دی اس کی غیبتیں، وقار الدین کے سنانے کے کہ کو برہم کریں

ان اوصاف کی ماں خاندان اور دم کو صاحب اوصاف فرزند کہاں سے زایم کر سکتی گی۔ ماں کا نام لیتے ہی بے پناہ

محبت اور اس کے تذمر تلے جنت کا تصور آ جاتا ہے۔ ماں محبت و شفقت ہوتی ہے۔ اس کی محبت کا تعاضد

تو یہ ہو تا ہے کہ جو مصیبت زدہ اولاد ہے اس کے پاس رہے ماں اور آرام طلبی یہ دو چیزیں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں

ماں خود یہ کہے کہ میں وہاں رہوں گی جہاں مجھے آرام ملے ہے یعنی جہاں خوشحالی رہتی ہے تو یہ الفاظ ماں کے

مقام کو گرا دیتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ مادر اس سے تعلق رکھتی تھی جس کے بارے میں حیدر آباد میں کہا

جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ ہم گھر پر آئیں تو آپ ہمیں کیا کھلائیں گے اور آپ ہمارے گھر آئیں تو ہمارے

لئے آپ کیا لایا کریں گے۔ بس یہی طریقہ اس ماں نے اپنی اولاد کی حد تک بھی اپنایا تھا۔ آرام طلبی خود غرض نہ اس کو

ماں کے بلند مقام سے بہت گرا دیا تھا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ

خودی کی پرورش و تربیت یہ ہے مرقون ؛ کہ مشق خاک میں پیدا ہو آتش ہو

دہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم ؛ دہی ہے دل کہ حلال و حرام سے اہم

(۴) آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہ

جیلانی جس نے خاندان کے لئے

تاریخ بنالیا تھا اب جبکہ نواز

ماں خود غرضیوں کی انتہا پر

کے بعد خاندان کی ذمہ داریاں تقریباً ختم ہونے لگی تھیں۔ جیلانی کو ایک نسبت مہرناں لڑکی کی آئی۔ ماں بہنوں نے بہت کیا۔ مکان کو رسمی کامیگر دوسرے ضروریات کے چیزیں دیا جا رہا تھا۔ میواں شادی بتلائی گئی ماں اور بہنوں نے اس روٹی کا منہ ہی میٹھا کر دیا تاکہ بات بچی سمجھی جائے۔ یکایک ماں اور بیٹیوں کا بوسہ شدہ لڑکے بعد مشورہ طے کیا کہ شہر کی لڑکی ملان اور بہنوں سے دھڑک دے گی لہذا ایک گاؤں کی لڑکی کا انتخاب کیا گیا۔ جو کھیتی باڑی کرنے والا خاندان تھا دہلیز سے آگاہ نہ تھیں اسے آداب محفل سے تک نا بلکہ جس کے مالیات ناگفتہ بہ حد تک خراب تھے آج تک خاندان میں کوئی گاؤں کی لڑکی نہیں لائی گئی تھی۔ یہ ماں اور بہنوں نے جیلانی کی خدمات کا انجام اسے دیا تھا بہر حال جیلانی کو ایک بھول کا ہار گلے میں ڈال کر کہا گیا ”چل رے بیل چل اپنے سلج کی جانب“ بقول حضرت نانی حال یہ تھا کہ

فصل گل آئی یا اجل آئی یکرں در زندان کھلتے ؛ کیا کوئی دشتیادہ اپنچا یا کوئی قیدی جھوٹ گیا

نانی ہم تو جیتے جی ادھ میت ہیں بے گور رکھن ؛ ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی جھوٹ گیا

شادی اس قدر عبرتناک اور غمناک رہی کہ شادی کی ٹی پائی کے لئے بعد میں جیلانی کو معلوم ہوا کہ (۷۵) روپے دے دئے گئے تھے کہ خود ہی اسٹام کر لیں۔ جنہر تو اسے ہی اٹھ تھا، چوتھی کا بھی پتہ نہ تھا جو خاندان کی کسی شادی میں ایسا نہ ہوا تھا۔ جیلانی نے دوستوں کو چوتھی کی دعوت دیدی تھی۔ جیلانی کے خوش باختم ہونے کے جبکہ اسے معلوم ہوا کہ چوتھی بھی نہیں ہوگی۔ اس نے شادی کے دوسرے روز ماں سے کہا ”واہ اچھی ماں ہے“ آج میں دوستوں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ سوچا ہوا بلان تھا، ”ماں نے زمین پر ایک پشنگ لگا کر ایسی ایکٹنگ کی کہ تو نے مجھے ایسی ماں کہا اور زمین پر ہاتھ پاؤں ملنے لگی۔ مقصد جیلانی کو پریشان کر کے اس کا منہ بند کرنا تھا۔ ایک عرصہ بعد جیلانی نے ماں سے پوچھا۔ آپ گاؤں کی ایسی لڑکی یکرں لائیں تو ماں نے بلا تکلف جواب دیا کہ شہر کی لڑکی آتی تو تمہیں کیا خاندان کی خدمت کا موقعہ دیتی؟ ابھی خاندان کو تمہاری ضرورت ہے، جیلانی نے نانی کا یہ شعر گویا اپنے ہی لئے سمجھا۔

ظالم کا نہ شکوہ ظالموں کی تہ پڑا کر ؛ تو اپنی دفاؤں کی عزت پر خدا ہو جا

ہے گاؤں کی لڑکی قلب کی مریضہ نکلی، جیلانی پریشان تھا، اب ان کی مدد کو نہ ملتا تھی نہ بھالی بہن سہیل نے عذراوت شب برات کی طرح رنگ رنگیاں بنا رہے تھے زمانہ اقبال کی زبان بکھرناک ماں اور بے رحم خاندان کو محضرت بنگر دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ جیلانی نے بحیثیت زبندہ بھالی اپنا حق ادا کر دیا اور تم نے جس سنا کا بے رحمی بے وفا کی گمانزت دیا ہے اس کے لئے خدا کے پاس بھی جواب دیا ہے اور دنیا میں بھی سزا ہے اور زمانہ خبردار کر رہا تھا محضرت بن کر کہ آنکھ جو دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں ؛ محضرت ہوں کہ دنیا کا سے کیا ہو جائیگی بچا کو آسین میں بچیاں رکھی ہیں گود میں ؛ خاندان باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانہ میں قدرت نے ماں اور خاندان کو ایمان کے محرم کے کس طرح شیاطین کے حوالے کر کے سزا سے عظیم دی ہے جلد دھم میں پڑے •

مُصَنَّف کے دیگر کتب

هدیه

$$\frac{2 \times 4}{2} =$$

مسلمانوں کے زوال کے اسباب؛ علامہ اقبال کی نظر میں۔ کل کامیاب اور آج کا مسلمان

فَلَسْنَا لَإِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَفَلَسْنَا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَوْ عَلَامَةُ أَجْبَالٍ

 $\frac{4}{5} =$

فلسفہ نماز، روزہ، حج، قرآن اور مسلمان

۱۔ مسلمانوں کے تکلیف دہ سوال: روح زوال کا اصل قیل هو اللہ احد (سورہ اخلاص)

 $4/5 =$

میں مضمون ہے (علامہ اقبالؒ کی لاجواب تفسیر و مثالیں)

$$3/ =$$

۱۔ آج کے مسلمان کے سوچنے کا انداز اور علامہ اقبال کا سرور

 $\frac{6}{7} =$

۱۔ مسلمانوں کے عہد زوال میں عورت کا رول دھمے، علامہ اقبال کے نظریات

 $4\frac{1}{2}$

فلسفہ زندگی اور موت از اردو قرآن اور از امین مصطفوی معلم اور علامہ اقبال

4/2

۔ فلسفہ جہاد از روئے قرآن اور فراہم مصطفوی صلعم اور علامہ اقبال

 $4/5$

۲۔ فلسفہ شہادت امام حسین علی مقام اور علامہ اقبالؒ

 $6/ =$

مسلمانوں نے ہندوستان آکر کیا دیکھا کیا پایا کیا کھویا { حصہ اول
اور نظریات علامہ اقبال

 $6/ =$

حضر (3) " " " " " " " |

$$4/ =$$

۔ گستاخانِ احادیث درجہ اول یعنی پہلے حدیث جمعہ اول تا چہارم اور علامہ اقبال

 $4\frac{1}{2}$

۔ گستاخانہ احادیث جزو دوم یعنی چیل حدیث (حصہ اول تا سوم) اور علامہ اقبال

$$3/ =$$

۱۔ شانِ محمدؐ کیا کہیے شانِ غلاماں مٰں لیجئے۔

4/5

۱۔ والدین کے حقوق قرآن اور فرائض رسول اللہ صلیم کی روشنی میں

12/

۱۷۔ خون کے آئینہ آئینہ اور مسلمان اور علامہ اقبال

 $\frac{4}{1} =$

۱۱۔ گلدستہ حمد و گلستان نعت